پیشین گوئی کرتے تھے کچھ شبہ نہیں کہ وہ اسے بدفالی اور کسی حادثہ عظیم کے واقع ہونے کا یقین ہونے کا یقین کرتے تھے جس طرح کہ تطیر سے بدفالی سمجھتے تھے۔

تفسیر کبیر میں زھری سے روایت لکھی ہے کہ چند آدمی رسول خدا کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ایک تارہ ٹوٹا آنحضرت نے پوچھا کہ تم زمانہ جاہلیت میں اسکو کیا کہتے تھے انہوں نے کہا کہ ہم کہتے ہیں کہ کوئی بڑا شخص مر جاوے گا یا حادثہ عظیم پیدا ہوگا۔ غرض کہ اسکو زمانہ جاہلیت میں فال بد یا شگون بد سمجھتے تھے اس زمانہ کے لوگ کثرت سے تاروں کے ٹوٹنے کو شگون بد سمجھتے ہیں اس شیاطین الانس کے اعتقاد کی ناکامی کو ان کے کسی شگون بد سے تعبیر کرنے کے لیے خدا نے فرمایا کہ فاتبعہ شہاب ثاقب جو نہایت ہی فصیح استعارہ ہے نجمین کے وبال کے بیان کرنے کو اور جس کا مقصود یہ ہے کہ فاتبعھم الشوم والخسران والحرمان فیما املوا۔

سورہ جن میں انا لمسنا السماء کا لفظ ہے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ مس سے اشارہ طلب کیا جاتا ہے اور یہ قول نجمین کا ہے پس معنی یہ ہوئے کہ ہم نے ڈھونڈھا آسمان کو اس کو پایا بھرا ہوا حفاظ یعنی موانع شدید اور شہب یعنی وبال سے جن کے سبب ہم اپنے مقصد کو حاصل نہیں کرسکتے۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہم ملاء اعلیٰ کی باتوں کے سننے یعنی دریافت کرنے کو بیٹھتے تھے مگر اب قرآن سننے کے بعد اس کے لیے جو کوئی سنے یعنی دریافت کرنا چاہے ہم اس کے لیے شہاب یعنی وبال معین پاتے ہیں پس ان تمام امور کو جنبہ مظنونہ اور مزعومہ سے منسوب کرنا جن کا وجود بھی قرآن مجید سے ثابت نہیں ہے کس قدر بے اٹکل اور رجما بالغیب بات ہے۔ فتدبر۔۔۔

☆☆

ایڈز .... دورِ جدید کا عظیم انسانی المیہ

محمد عارف خان ساقی

استاذ شعبۂ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اسے شرف و بزرگی سے اور کرامت سے سرفراز فرمایا ہے (1) انسانی حرمت وتقدس کا خود رب ذوالجلال کو پاس ہے اور پاس رکھنے والوں کو وہ محبوب رکھتا ہے۔ دوسری طرف طاغوتی طاقتیں انسان کو حیوانیت کی سطح تک گرا دینے اور اس کی عظمت وتقدس کو پامال کرنے کے لئے اس کو بے راہ روی کا عادی بنانے پر اپنا زور اور تمام تر توانائیاں صرف کر رہی ہیں۔ مگر بھلے سے ان کے پاس منطقی دلیلوں کے انبار ہوں، آئینی، قانونی، سماجی اور مذہبی اداروں سے سند جواز بھی حاصل کر چکے ہوں، مگر من حیث القوم اس گھناؤنی حرکت کو قبول کرنے اور رائج کر دینے کا انجام بخیر نہیں ہو سکتا۔ اکثر ایسے موقعوں پر خدا کی بے آواز لاٹھی حرکت میں آجاتی ہے اور ان سرکشوں کا سر کچل ڈالتی ہے۔ فی زمانہ ایڈز وہی بے آواز لاٹھی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کیا جرم تھا جس نے اب کی بار خدا کی اس لاٹھی کو متحرک کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ "جنسی بے راہ روی"۔ اہل مغرب، جب کلیسا سے آزاد ہوئے تو گویا ہر چیز سے آزاد ہو گئے۔ مادر پدر آزاد۔ جنسی معاملات میں آزاد، ہم جنس پرستی میں آزاد۔ یہی نہیں بلکہ عریانیت ان کے یہاں ایک قیمتی صنعت کا درجہ حاصل کر گئی۔ یہیں پیدا ہوئی پھلی پھولی اور پھر یہ بھی آزاد ہو کر ملکوں ملکوں پھری۔ اور نوخیز بچوں کو اس نے قبل از وقت بالغ ہی نہیں جنس پرستی کی طرف راغب بھی کر دیا۔ کیملوٹ ورک کی جاوکاریاں اب کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

و اللہ یرید ان یتوب علیکم قف و یرید الذین یتبعون الشھوت ان تمیلوا میلا عظیما (۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تو چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی فرمائے اور شہوت کے رسیا چاہتے ہیں کہ تم اسی شہوت کے

ہی ہو کے رہ جاؤ۔

اللہ تعالیٰ ڈھیل ضرور دیتا ہے مگر جب پکڑ کرنے پر آتا ہے تو پناہ بھی کہیں نہیں ملتی۔ اس کا ارشاد ہے:

ان بطش ربک لشدید (۳)

ترجمہ: یقیناً تمہارے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔

پچھلی امتیں تو اس پکڑ سے خوب واقف تھیں۔ ان کا اجتماعی معاشرتی ضمیر جب بھی حدود اللہ سے تجاوز کرنے پر آمادہ ہوا، جب بھی ان کے دماغوں میں رشد و ہدایت کے الہامی ضابطوں سے بے نیازی کا سودا سمایا، شرف انسانی کے خلاف بہیمانہ جرائم کو جب بھی انہوں نے قومی شناخت بنایا، یہ لاٹھی حرکت میں آ گئی۔ پھر سارے کس بل نکل جاتے یا صفحۂ ہستی سے ہی نابود ہو جاتے۔ طاعون کی وبا بھی سابقہ امتوں پر عذاب بن کر مسلط ہوتی رہی۔ حدیث شریف میں ہے:

قال رسول اللہ ﷺ ان ھذا الطاعون رجز سلط علی من کان قبلکم (۴)

ترجمہ: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ طاعون ایک عذاب ہے جو تم سے پہلے لوگوں پر مسلط کیا گیا تھا۔

اسی کی دہائی میں اللہ کی یہ بے آواز لاٹھی ایک بار پھر حرکت میں آئی اور دنیا بھر میں اسکی دھمک محسوس کی گئی۔ اب کی بار ایچ آئی وی یا ایڈز کی صورت میں یہ لاٹھی حرکت میں ہے۔ نیشنل ایڈز کنٹرول پروگرام، اسلام آباد، کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں:

ایچ آئی وی کا مطلب ہے: "انسانی قوت مدافعت میں کمی کا وائرس" یہ ایک ایسا وائرس ہے جو جسم کے مدافعتی نظام پر حملہ کرتا ہے۔ ایک عرصے کے بعد ایچ آئی وی جسم کو اس حد تک کمزور کر دیتا ہے کہ معمولی بیماری کے خلاف بھی مدافعت کی سکت نہیں رہتی۔ اور آخر کار متاثرہ شخص میں بیماری کی علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس کیفیت کو "ایڈز" کہتے ہیں۔ ایڈز کا مطلب ہے "مدافعتی نظام میں کمی کی علامات" جب کوئی شخص ایڈز کا شکار ہو جائے تو کوئی بھی بیماری اس پر آسانی سے حملہ آور ہو کر موت کا سبب بن سکتی ہے۔ (۵)

اب تک کروڑوں کی تعداد میں لوگ اس لاٹھی کی زد میں آ کر لقمۂ اجل بن چکے ہیں۔ ان گنت افراد اس سے متاثر ہیں۔ جبکہ روزانہ کم و بیش ہزاروں افراد اس کی زد میں آ کر گھائل ہونے والوں میں شامل ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ اس قدر موذی اور خطرناک مرض ہے کہ بارہ برس تک متاثرہ شخص کو نہ تو خود کسی طرح اس کے حملے کا ادراک ہو پاتا ہے نہ ہی کسی اور ذریعے سے اس کے متاثرہ ہونے کا پتا چلایا جا

سکتا ہے۔ یہ اس کی تباہ کاریوں اور ہولناکیوں کی محض ایک ہلکی سی جھلک ہے۔ ورنہ اس کی روک تھام کے لئے سرگرم افراد اور اداروں کے بیان کردہ حقائق اس قدر روح فرسا ہیں کہ گنواتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا ہے۔

قرآن مجید نے ہماری عبرت اور نصیحت کی خاطر کئی مقامات پہ قوم لوط کی بداعمالیوں اور اس کے ہولناک انجام کا ذکر کیا ہے۔ انفرادی اور خفیہ عمل ہونے کے لحاظ سے تو یہ جرم اور بھی قدیم ہو سکتا ہے مگر دیدہ دلیری کے ساتھ اجتماعی اور اعلانیہ طور پر قوم لوط نے ہی پہلی بار اس جرم کا ارتکاب کیا تھا:

ولوطا اذقال لقومہ اتاتون الفاحشۃ ماسبقکم بھامن احد من العلمین ، انکم لتاتون الرجال شھوۃ من دون النساء بل انتم قوم مسرفون ،وماکان جواب قومہ الاان قالوا اخرجوھم من قریتکم انھم اناس یتطھرون (۶)

ترجمہ: اور یاد کیجئے لوط علیہ السلام کو جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا، تم شہوت رانی کی ایسی علت میں مبتلا ہو گئے ہو کہ جہاں میں تم سے پہلے کسی اور نے کبھی ایسا نہ کیا تھا۔ تم عورتوں کے بجائے مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو، یقینی طور پر تم ساری حدیں پار کر چکے ہو۔ آپ علیہ السلام کی قوم کے پاس کوئی جواب نہ تھا بجز اس کے کہ آپس میں کہنے لگے ان کو اپنے علاقے سے نکال دو، یہ لوگ بڑے پارسا بنے پھرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہادی نے ان کو اس بدعملی سے بہت روکا مگر وہ باز نہ آئے۔ اور جب آپ علیہ السلام کی تمام تر کوششوں کے باوجود وہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز آنے پر آمادہ نہ ہوئے تو خدا کی پکڑ میں آ گئے:

فلماجاء امرنا جعلنا عالیھاسافلھا وامطرنا علیھا حجارۃ من سجیل لا منضود (۷)

ترجمہ: پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا، ہم نے اس بستی کو ہی تہ و بالا کر دیا اور ان پر کنکر یلے پتھر برسائے جو تہ بہ تہ تھے۔

دنیا کے ہر مہذب ملک اور معاشرے نے ہمیشہ بدکاری اور لواطت کو انسانیت کے خلاف بدترین اور گھناؤنا جرم ہی تصور کیا ہے۔ دین اسلام کا بھی اپنے ماننے والوں سے یہی تقاضا اور مطالبہ ہے کہ اس قابل نفرت سماجی بیماری اور برائی کے نہ صرف یہ کہ خود قریب نہ جائیں بلکہ اس کے خاتمے کے لئے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔ اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ قرآن حکیم نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی اس نوع کی بدعملی کے ہولناک انجام کا بڑا جامع نقشہ پیش کیا ہے۔ یہ عبرت دلانا مقصود ہے کہ جب

کبھی بھی انسان نے بغاوت وسرکشی کی روش اپنائی اور اس برائی کے فروغ وحمایت پر کمربستہ ہوا تو اس جرم کی پاداش میں قادر مطلق نے اپنے کارخانۂ قدرت میں ڈھلے ہوئے تہ بہ تہ بم برسا کر وہ بستیاں کی بستیاں تباہ وبرباد اور تہس نہس کردیں کہ جہاں اس فعل بد کا بیج بویا گیا تھا۔

زنا کاری کو قرآن مجید نے بہت بیہودہ حرکت اور برا راستہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولا تقربوا الزنیٰ انه کان فاحشة ط وساء سبیلا (۸)

ترجمہ: زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، یہ بہت بیہودہ حرکت اور برا راستہ ہے۔

جبکہ لواطت اور ہم جنس پرستی اس کے مقابلے میں بھی بدتر جابری اور بیہودہ حرکت اور ایک غیر فطری عمل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین بار دہرا کر اور زور دے کر فرمایا:

ملعون من عمل عمل قوم لوط (۹)

ترجمہ: ملعون ہے وہ جو قوم لوط والا عمل، یعنی ہم جنس پرستی، کرے۔

اسلام کے آنے کے بعد مردوں میں ہم جنس پرستی کا پہلا قضیہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ریکارڈ پر آیا۔ حضرت خالد بن ولید، مضافات عرب میں کسی جگہ جہاد میں مصروف تھے کہ انہیں اطلاع ملی کہ اس علاقے میں کوئی ایسا مرد بھی ہے جس کے ساتھ مرد حضرات اسی طرح شادیاں رچاتے ہیں جس طرح عورتوں سے شادی کی جاتی ہے۔ ان علاقوں میں جو نئی فتوحات کے نتیجے میں زیر نگیں آئے تھے، ابھی اسلام کی روشنی پوری طرح نہیں سے پہنچی تھی لہٰذا یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ وہ شخص مسلمان نہیں تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ایسے شخص کے بارے میں حکم شرع دریافت کرنے کے لئے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کبار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مشورے کے لئے طلب فرمایا اور صحابہ کرام کی مشاورت سے اس گھناؤنی حرکت کی سزا کا تعین ہوا۔ علامہ بیہقی سنن کبریٰ میں روایت کرتے ہیں:

ان خالدا کتب الیٰ ابی بکر الصدیق رضی الله عنهما فی خلافته یذکر له انه وجد رجلا فی بعض نواحی العرب ینکح کما تنکح المرأة وان ابا بکر رضی الله عنه جمع الناس من اصحاب رسول الله ﷺ فسألهم عن ذلک. فکان من اشدهم یومئذ قولا علی بن ابی طالب رضی الله عنه. قال ان هذا الذنب لم تعص به امة من الامم الا امة واحدة صنع الله بها ما قد علمتم. نریٰ ان تحرقه بالنار. فاجتمع رأی اصحاب رسول الله ﷺ علیٰ ان یحرقه بالنار. فکتب ابو بکر رضی الله عنه الیٰ خالد بن

ولید یأمره ان یحرقه بالنار. (۱۰)

ترجمہ: کہ عہد صدیقی میں حضرت خالد بن ولید نے آپ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ مضافات عرب میں ایک جگہ انہیں ایک ایسا مرد نظر آیا ہے جس سے اسی طرح نکاح کیا جاتا ہے جیسے عورت سے نکاح کیا جاتا ہے۔ اور یہ کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اصحاب رسول میں سے کچھ لوگوں کو جمع کیا اور اس معاملے میں رائے دریافت فرمائی۔ اس روز سخت ترین موقف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ ایک ایسا سنگین جرم ہے کہ امم سابقہ میں سے بس ایک ہی امت نے اس جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو معاملہ فرمایا آپ سب کو معلوم ہو چکا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ اس شخص کو آگ میں جلا ڈالیں۔ دیگر صحابہ کرام نے بھی متفقہ طور پر کہا کہ آپ اسے آگ میں جلا دیں۔ بعد ازیں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید کو لکھ بھیجا کہ اسے آگ میں جلا دو۔

سنن کبریٰ میں علامہ بیہقی نے ایک اور روایت بھی نقل فرمائی ہے:

قال ابو نضرة: سئل ابن عباس ما حد اللوطی؟ قال: ینظر أعلیٰ بناء فی القریة فیرمیٰ به منکسا ثم یتبع الحجارة (۱۱)

ترجمہ: حضرت ابو نضرۃ فرماتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا: لواطت کے مرتکب پر کیا حد جاری ہوگی؟ آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بستی میں بلند ترین مقام دیکھا جائے، پھر وہاں سے اس کو اوندھے منہ نیچے گرایا جائے اور پیچھے سے پتھر لڑھکائے جائیں۔

سزا کے عمل میں اس اختلاف پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

ان الصحابة قد اختلفوا فی موجبه فمنهم من اوجب التحریق بالنار ومنهم من قال یهدم علیه الجدار ومنهم من قال ینکس من مکان مرتفع مع اتباع الاحجار. (۱۲)

ترجمہ: کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مابین اختلاف ہے کہ اس پر کون سی سزا لازم ہوگی۔ کچھ نے آگ میں جلانے کو لازم جانا ہے۔ کچھ کا کہنا ہے کہ اس پر دیوار گرادی جائے گی۔ اور کچھ کا کہنا ہے کہ بلند ترین مقام سے اسے نیچے گرایا جائے اور پیچھے سے پتھر لڑھکائے جائیں۔

علامہ علاء الدین الحصکفی نے جرم لواطت کی سنگینی پر روشنی ڈالتے ہوئے البحر الرائق کے حوالے سے لکھا ہے:

حرمتها اشد من الزنا لحرمتها عقلا وشرعا وطبعا (۱۳)

ترجمہ : عقلی، شرعی اور طبعی ہر اعتبار سے زنا کے مقابلے میں اس کی قباحت شدید تر ہے۔

اس جرم میں ملوث شخص کے بارے میں صاحب فتاویٰ خانیہ فرماتے ہیں:

قال ابو حنیفة رحمه الله : یعزر اشد التعزیر و لا حد علیه . (۱۴)

ترجمہ : امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لواطت کے مرتکب کو سخت ترین سزا تو دی جائے گی مگر اس کے معاملے میں شرعی حد درست نہیں۔

علامہ علاء الدین الحصکفی نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے :

و عدم الحد عنده لا لخفتها بل للتغلیظ لانه مطهر علی قول . (۱۵)

ترجمہ : امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک لواطت کے مرتکب کے لئے حد شرعی کا درست نہ ہونا اس بنا پر نہیں کہ یہ کوئی معمولی جرم ہے بلکہ اس بنا پر ہے کہ یہ غلیظ تر ہے۔ اس لئے کہ ایک قول کی رو سے "حد" مجرم کو پاک کر دیتی ہے۔

جبکہ بدفعلی کے مرتکب کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ سزا کے بعد بھی وہ گناہ کی اس گندگی سے پاک ہوگا یا نہیں۔ یہ ہے ہم جنس پرستی اور جنسی بے راہ روی کا مکروہ چہرہ جس پر سے اسلام نے دین فطرت ہونے کے ناطے نقاب اتار پھینکی ہے۔ اس طرف سے آنکھیں بند کر کے جنسی لذت کوشی کو اختیار کرنے والوں کو قدرت کی طرف سے آج ایچ آئی وی / ایڈز کا تازیانہ پڑا ہے۔ مگر انہیں تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ بڑی تعداد میں دوسرے لوگ بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واتقوا فتنةً لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصة ج واعلموا ان الله شدید العقاب (۱۶)

ترجمہ: اور بچو اس فتنے سے جس کی پکڑ صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنہوں نے تم میں سے گناہ کیا ہوگا، اور دھیان میں رکھو کہ اللہ تعالیٰ بہت سخت پکڑ کرنے والا ہے۔

یہ دنیا دار المکافات ہے۔ یہاں اچھے اعمال انسانی زندگی پر اثر انداز ہو کر اس میں رونق و رعنائی اور نکھار پیدا کرتے اور بڑھاتے ہیں۔ اسی طرح برے اعمال بھی جلد یا بدیر زندگی پر اپنے نقوش ثبت کر کے ہی دم لیتے ہیں۔ عمل اور رد عمل کا ایک لامتناہی سلسلہ اور دور شروع ہوتا اور چلتا ہی چلا جاتا ہے۔ ایک اچھا عمل جس طرح اپنے جیسی کئی نئی راہیں کھول دیتا ہے اسی طرح ایک برا عمل کئی اور برے در کھول کر دیتا ہے۔ اچھے کاموں کے نتیجے بھی اچھے ہی نکلتے ہیں اور برے کاموں کا انجام بھی برا ہی ہوتا ہے۔ گویا کچھ ہی دیر میں کمائی ہتھیلی پہ آ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره (۱۷)

ترجمہ: تو جس نے ذرہ برابر نیکی بھی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بھی بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔

ہم اس لحاظ سے خاصے بدنصیب ہیں کہ ہمارے دور میں ایڈز جیسا موذی اور مہلک مرض پوری دنیا میں تیزی سے پاؤں پسار رہا ہے۔ ساری دنیا پر اس نے ایک خوف و دہشت طاری کر رکھی ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ کب اور کس بہانے یہ موذی مرض اس کو آ چپکے گا اور جان لے کے جائے گا۔ خوف آدمی کو نیم جاں کر دیتا ہے۔ ایک جسم کی دفاعی صلاحیت کو سب سے زیادہ نقصان خوف اور پریشان خیالی سے پہنچتا ہے۔ یہ چیزیں انسان کے اعصاب توڑ کر رکھ دیتی ہیں۔ اندر ہی اندر، روئی کی آگ کی طرح وہ ان توانائیوں کو جن پہ انسانی صحت و سلامتی کا مدار ہوتا ہے، بھسم کر دیتی ہیں۔ ایک انسانی جسم جب تک نارمل انداز میں کام کرنے کے قابل نہیں ہوتا اندرونی شکست و ریخت کا تدارک اور نئی توانائیوں کی بہم رسانی اس کے لئے ممکن نہیں ہوتی۔ خوف و ہراس اور پریشانیاں اس معاشرے میں زیادہ ہوتی ہیں جہاں ضعیف الاعتقادی کا دور دورہ ہو، جہالت چھائی ہوئی ہو، غربت و افلاس کا راج قائم ہو، جہاں بے اطمینانی، بے یقینی اور مایوسی کی فضا ہو اور اوہام پرستی عام ہو کہ ادھر چھینک آئی اور ادھر جان نکل جائے۔ انسان کے شرف و بزرگی اور کائنات کے ساتھ اس کے تعلق کے تناظر میں یہ حرکت مضحکہ خیز بھی ہے اور قابل افسوس بھی۔ قادر مطلق پہ ایمان رکھنے والے ان چیزوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔

جنگلی درندوں کا ڈر نہ ہوتا تو انسان جنگلوں اور غاروں کو خیر باد نہ کہتا۔ موسموں کی سختیاں اسے مجبور نہ کرتیں تو یہ گھر بناتا نہ کپڑا ایجاد کرتا نہ آگ اس کی گرہ میں ہوتا۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ "ضرورت ایجاد کی ماں ہے" یہ انہی ضرورتوں کا احسان ہے کہ آج کا انسان اس قدر ترقی یافتہ ہے۔ جدید دنیا نے علم و دانش اور صنعت و ایجاد کے بڑے معرکے سر کئے ہیں اور یہ جنگ ابھی جاری ہے اور جاری ہی رہے گی۔ کئی بیماریاں بھی سرنگوں ہو چکی ہیں اور کئیوں کا تعاقب جاری ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سوائے بڑھاپے (۱۸) کے ہر مرض کی دواء قدرت نے بہم پہنچائی ہے۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

لکل داء دواء فاذا اصیب دواء الداء برا باذن الله تعالی (۱۹)

یعنی: ہر بیماری کی دوا موجود ہے، جب بیماری تک اس کی دوا پہنچتی ہے تو اللہ کے حکم سے شفا مل جاتی ہے۔

مگر ایڈز ہنوز لاعلاج ہے۔ اس کی کوئی دوا دارو ابھی تک بنی نوع انسان کے ہاتھ نہیں آیا۔ دوسرے ہاتھ پر اس کی تباہ کاریاں اور ہولناکیاں روز بروز بڑھتی ہی چلی جا رہی ہیں۔ اس کی روک تھام اور اس میں مبتلا مریضوں کی دیکھ بھال کرنے والے اداروں کے مہیا کردہ اعداد و شمار دیکھ کر لرزہ طاری ہو

جاتا ہے۔صرف ایک سٹ میں قریباً سات

سے مریض اس کا شکار بن جاتے ہیں۔اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ زیادہ تباہ کن اس کے معاملے میں غفلت اور لاپروائی ہے۔ ہر شخص کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا پھیلاؤ اگر اس قدر تیز ہے تو اس کی وجوہات کیا ہیں ؟ مگر ساتھ ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بے وجہ ناامیدی و مایوسی اور جی چھوڑ بیٹھنا اس سے بھی زیادہ تباہ کن اور خوفناک بننے کے مترادف ہوگا۔ کیونکہ اگر غفلت اور لاپروائی برتی جائے تو ایک چھوٹا سا پھوڑا کینسر جیسے مہلک مرض کا سبب بن سکتا ہے۔ ایسی کئی مثالیں عام انسانی مشاہدے میں ہیں کہ کسی کے پاؤں کی انگلی کا ناخن چبھ گیا۔ مناسب توجہ نہ دی گئی۔ پانی لگتا رہا۔ پس پڑ گئی۔ جب زخم بگڑا اور تکلیف میں شدت پیدا ہوئی تو ڈاکٹر سے رجوع کیا۔ اس نے معائنہ کرنے کے بعد بتایا کہ زہر پیدا ہو گیا ہے۔ لہٰذا یہ انگلی کاٹنی پڑے گی۔ مریض کو تامل ہوا۔ گھر واپس چلے گئے۔ کچھ روز بعد انگلی کٹوانے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو کر آئے تو ڈاکٹر نے پھر معائنہ کرنے کے بعد بتایا کہ پورا پاؤں کاٹنا ضروری ہو گیا۔ جلدی سے کوئی فیصلہ کر لیجئے کیونکہ زہر تیزی سے پھیل رہا ہے۔ مریض نے پاؤں سے محروم ہونا گوارا نہ کیا۔ بات گھٹنے سے ہوتی ہوئی کولہے تک پہنچ گئی۔ مرض جوں جوں بڑھتا گیا درد کی شدت میں بھی اضافہ ہی ہوتا گیا۔ مجبور ہوئے اور کولہے سے ٹانگ کٹوائی۔ مگر اب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ زہر سارے جسم میں پھیل چکا تھا۔ چنانچہ ٹانگ کے کٹنے اور جان کے نکلنے میں محض چند گھنٹوں کا وقفہ ہو سکا۔ اس کے برعکس یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بروقت توجہ اور مناسب دیکھ بھال کے نتیجے میں لوگ خطرناک امراض کے چنگل سے نکل بھی آتے ہیں۔ صحیح وقت پر مناسب فیصلہ ایک بڑی مصیبت سے بچا سکتا ہے۔ ایڈز کے معاملے میں اہم ترین بات یہی ہے کہ "معلومات اور پرہیز دو چیزیں اس کے علاج سے بہتر ہیں۔"

ہمیں دو پہلوؤں پہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ایک طرف قدرت کی رحمت سے مایوس ہوئے بغیر ایڈز کا علاج دریافت کرنے کے لئے علم و تحقیق کے میدان میں آگے بڑھنے کے لئے جملہ وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے جہد مسلسل اور سعی پیہم پہ کاربند رہنا ہوگا۔ تا آنکہ گوہر مقصود ہاتھ لگے۔ ایک عام شہری ظاہر ہے کہ اس معاملے میں طبی ماہرین اور سائنسدانوں کی جلد کامیابی کے لئے دعا ہی کر سکتا ہے۔ اس شعبے میں اصل کام جن کا ہے انہیں اپنی ذمہ داریوں کا بخوبی احساس ہے۔ دوسرا پہلو معاشرے کے ذمہ داروں اور عام شہریوں سے متعلق ہے۔ ہر شخص کا، خواہ معاشرے میں اس کی حیثیت کچھ بھی ہو، یہ مقدس مذہبی فریضہ اور ایک خوش گوار سماجی ذمہ داری ہے کہ اس مرض کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے جتنا اور جو کچھ وہ کر سکتا ہے کرے۔ انفرادی حیثیت سے بھی اور اجتماعی طور پر بھی۔ برابر والے گھر میں لگی ہوئی آگ کو دیکھ اور فی الفور ختم کرنے کی تدبیر اور عملی کوشش کرنا ہی قرین مصلحت و دانشمندی

ہے۔ دوسروں کا درد سر سمجھ کر اسے نظر انداز کرنا بہت بڑی نادانی ہوگی۔ تبھی اس موذی مرض کے مقابل انسانی برادری میں ہم آہنگی پیدا ہوگی اور اس کے آگے کوئی مؤثر بند باندھنا ممکن اور سود مند ہو سکے گا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسانیت کو تباہی سے بچانے کے لئے جدوجہد پیغمبروں کا طریقہ اور سنت ہے۔ یہی آج کا مسئلہ اور سب سے بڑا کام بھی ہے۔

بیماریوں کا کوئی دین، مذہب نہیں ہوتا۔ نہ یہ کسی خاص نسل یا علاقے کے باشندوں کو امتیازی طور پر نشانہ ستم بناتی ہیں۔ ایڈز بھی کسی ایک قوم، علاقے یا مذہب وملت کا معاملہ نہیں بلکہ پوری انسانی برادری کا مسئلہ ہے اور اسے زیر کرنے کے لئے بھی سبھی کو مشترکہ اور منظم کوشش کرنی ہے۔ لہٰذا انسانی برادری کو بھی اس کا مقابلہ کرنے کے لئے ان محدود دائروں سے ماورا ہو کر وحدت انسانی کی وسیع تر بنیادوں پہ کام کو آگے بڑھانا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اس معاملے میں رہنما اصول ہے:

وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (۲۰)

ترجمہ: جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔

ہم جس جہاں میں جی رہے ہیں یہ عالم اسباب ہے۔ یہاں ہر شے کو قدرت نے اسباب کے تابع کر رکھا ہے۔ مؤثر حقیقی البتہ صرف اللہ رب ذوالجلال ہی کی ذات ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر کسی پرندے کو پر مارنے یا پتے کو ہلنے تک کی مجال نہیں۔ کوئی بھی انسان ان اسباب سے بے نیاز ہو کر نہیں جی سکتا۔ ہم سوتے جاگتے سانس لیتے ہیں۔ بھوک لگتی ہے تو کھانا کھاتے ہیں، تھک جاتے ہیں تو آرام کرتے ہیں، بیمار ہو جاتے ہیں تو علاج معالجہ کے ذریعے اپنی کھوئی ہوئی صحت اور توانائی بحال کرنے اور واپس لانے کے لئے تگ و دو کرتے ہیں۔ ہمارے یہ اعمال توکل علی اللہ کے منافی نہیں ہیں۔ اسلام اپنے پیروکاروں کو جو تعلیم دیتا ہے اس کو مختصر ترین الفاظ میں "دست بکار دل بیار" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ہماری سرگرمیاں توکل علی اللہ کی صحیح آئینہ دار ہو سکتی ہیں۔ اپنی ذمہ داریوں سے بہتر طور پر عہدہ برآ ہونے اور مسائل و مشکلات سے نمٹنے کے لئے ہمیں مناسب تدابیر اختیار کرنے کی تعلیم اور حکم دیا گیا ہے۔ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا:

ارسل راحلتی واتوکل؟ فقال رسول اللہ ﷺ بل قیدھا وتوکل (۲۱)

یعنی: میں اپنی سواری کو کھلا چھوڑ دوں اور اللہ پہ بھروسہ رکھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے باندھ کر رکھو اور پھر اللہ پہ بھروسہ کرو۔

جامع ترمذی کے الفاظ ہیں:

قال رجل یا رسول اللہ اعقلھا وتوکل او اطلقھا وتوکل ؟ قال: اعقلھاوتوکل(۲۲)

ترجمہ: ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: آیا میں اپنی اونٹنی کو باندھ کر رکھوں اور بھروسہ کروں یا اسے کھلا چھوڑ دوں اور اس طرح سے بھروسہ کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے جکڑ کر رکھو اور پھر بھروسہ کرو۔

گویا ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنا توکل نہیں۔ توکل تو یہ ہے کہ انسان زندگی کی مشکلات سے مناسب تدابیر کے ذریعے پنجہ آزمائی کے لئے ہمہ وقت چوکس اور تیار رہا یا جائے۔ اور اپنی ہر کوشش کا نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ بقول علامہ اقبال ؎

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
پھر انجام اسکی تیزی کا مقدر کے حوالے کر

ہم وقت کے حصار میں قید اور مادی وسائل سے استفادہ کرنے پر مجبور بنائے گئے ہیں۔ دنیا میں رہ کر آخرت کی فکر و تیاری کا درس دیا گیا ہے نہ کہ دنیا کو آخرت بنا ڈالنے کا۔ یہاں ایک اور قانون قدرت کو بھی نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لیس للانسان الا ما سعی(۲۳)

ترجمہ: انسان کو وہی کچھ ملے گا جس کی کہ وہ سعی کرے گا۔

آج کا انسانی معاشرہ نوع بنوع مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ہم نے بہت ترقی کر لی ہے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کے نتیجے میں اپنے ہی معاشرے کو بہت سے دکھ بھی دیے ہیں۔ اتنی اصلاح نہیں ہوتی جتنے کہ اس میں بگاڑ در آتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جن حالات میں ایک صحت مند اور صالح معاشرے کی بنیاد رکھی تھی، اس وقت کے حالات اور آج کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو دونوں کے مابین کوئی قابل ذکر فرق نظر نہیں آتا۔ اس وقت بھی فاشی و عریانی عام تھی، جنسی بے راہ روی پہ کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ امراء القیس کا معلقہ اس کی ایک زندہ شہادت ہے۔ آپ ﷺ نے اصلاح معاشرہ کی تحریک کا آغاز فکر و عمل کی تطہیر اور تزکیہ نفس سے کیا تھا۔ بظاہر معمولی نظر آنے والے ان عوامل کا بھی آپ ﷺ نے سد باب فرمایا جو معاشرے میں ضعیف الاعتقادی، پراگندہ خیالی اور خوف و ہراس کا باعث بن رہے تھے۔ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے جب لوگ انبیاء کی تعلیمات فراموش کر چکے تھے اور معبود برحق کا حقیقی تصور ان کے درمیان سے اٹھ چکا تھا تو عالم ارضی پہ سایہ فگن ظاہری اسباب کو دیکھ کر ان کی پوجا پاٹ شروع کر دیتے تھے۔ عربوں نے جو ہزاروں

سال سے بیت اللہ کے وارث چلے آ رہے تھے، اللہ سے اپنا ناطہ توڑ کر مصنوعی معبودوں کی آغوش میں پناہ ڈھونڈ لی تھی۔ انہوں نے ستاروں کی منزلیں مقرر کر رکھی تھیں۔ جنہیں "نوء" کہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ موسموں کی سختیاں یا برسات وغیرہ انہی انواء کے زیر اثر ہے۔ اس طرح ان میں مظاہر پرستی عام ہو گئی تھی۔ "صفر" کے مہینے کو نحوس گردانتے اور سمجھتے تھے کہ اس میں آفات کا نزول ہوتا ہے۔ ایک نسبتاً بڑے سر والے اُلو کو جسے "حامۃ" کہتے تھے اور جو چیختا بہت تھا، چیختے ہوئے دیکھتے تو سمجھتے تھے کہ ان کے مقتول کی بے چین روح ہے۔ جو اس قالب میں داخل ہو گئی ہے۔ جب تک مقتول کا انتقام لے کر قاتل کا اسے خون نہ پلایا جائے گا، یہ یونہی تڑپتی رہے گی۔ اس طرح اور زیادہ زور و شور سے قاتل کی جان لینے کے درپے ہو جاتے۔ پرندوں سے اچھا یا برا شگون لینے کا اعتقاد ان میں راسخ ہو چکا تھا اسے "طیرۃ" کہتے تھے۔ ایک خود ساختہ خوف انہوں نے اور بھی اپنے اوپر طاری اور مسلط کر رکھا تھا کہ بیابانوں میں ایسے بھوت پریت پائے جاتے ہیں جو راستے سے بہکا کر انسان کو مار ڈالتے ہیں۔ انہیں وہ "غول" کہتے تھے۔ مختلف طرح کی بیماریوں کے معاملے میں بھی وہ لوگ اوہام پرستی کا شکار تھے اور سمجھتے تھے کہ بیماری طبعی طور پر ایک سے دوسرے کو لگتی ہے۔ مؤثر حقیقی کی طرف ان کا دھیان ہی نہ جاتا تھا۔ اسے "عدویٰ" سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

نبی آخر الزماں ﷺ نے اصلاح احوال کی خاطر جس طرح اوہام باطلہ اور اعتقادات فاسدہ کا رد فرمایا اسی طرح متذکرہ بالا چھ امور سے متعلق بھی عہد جاہلیت کے تصورات کو باطل و بے بنیاد قرار دیا۔ امام مسلم بن حجاج القشیری نے صحیح مسلم میں ایسی تمام احادیث کو حسب ذیل عنوان کے تحت جمع کیا ہے:

لا عدوی ولا طیر ولا ھامۃ ولا صفر ولا نوء ولا غول ولا یورد ممرض علی مصح (۲۴)

خط کشیدہ عبارت، جو کہ حدیث پاک میں وارد ہے، کا معنی ہے: "بیمار کرنے والے کو تندرست یا روبصحت کے پاس نہ لایا جائے۔" یہ اس امر کی صراحت ہے کہ امراض اپنے اسباب عادیہ کے تحت ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ البتہ امراض کا یہ انتقال یا تعدیہ ان کا طبعی عمل نہیں۔ نہ ہی ان میں سے کوئی مرض مستقل بالذات ہے۔ کیونکہ ہر شے کا خالق اللہ رب ذوالجلال ہے اور اسی نے ہر شے کے انداز مقرر اور مقدر فرمائے ہیں (۲۵) مرض بھی چونکہ ایک شے ہے اس لئے اسباب عادیہ کے تحت یہ بھی اسی طرح گھٹتا اور بڑھتا ہے جس طرح کہ اور نامی وجود۔ اور اللہ کی مشیت و اجازت کے بغیر کوئی بھی سبب فی نفسہ مؤثر نہیں ہو سکتا۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی نے حضرت ابن مسعود سے جو حدیث روایت کی ہے۔ اس کے کلمات اس معاملے میں بہت واضح ہیں اور رہے سہے اندیشے بھی رفع ہو جاتے ہیں:

"لا عدوی ولا صفر، خلق الله کل نفس و کتب حیاتها ورزقها ومصائبها" (۲۶)

ترجمہ: امراض کے طبعی انتقال اور صفر کی نحوست کا اعتقاد باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے ہر ذی روح کو پیدا کیا ہے اور اسی نے ہر ذی روح کی زندگی، اس کا رزق اور مصائب و شدائد بھی مقدر فرمائے ہیں۔

ابتدائے عہد سے ہی مرض کے متعدی یا غیر متعدی ہونے کے معاملے میں بھی علمائے امت میں بحث چلی آ رہی ہے۔ اس اختلاف کی بنیادی وجہ اس ضمن کی نصوص احادیث میں تعارض ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں:

وحجة الطائفتين واضحة مبينة في الحديث وهما مستمدان من اصلين احدهما التوكل والتسليم للقضاء والثاني الاحتياط والحذر ومجانبة اسباب الالقاء باليد الى التهلكة (۲۷)

ترجمہ: دونوں مکاتب فکر کی دلیل اساس وہی ہے جو احادیث میں بیان ہوئی۔ اس کے علاوہ دونوں شریعت کے دو بنیادی اصولوں کی سہار لیتے ہیں۔ ایک اصول "اللہ پر توکل اور خود کو اس کی قضاء کے حوالے کیے رکھنا" اور دوسرا "ہلاکت میں ڈالنے والے اسباب سے گریز اور پرہیز" ہے۔

اس طرح کچھ علماء نے "لا عدوی" سے علی الاطلاق امراض کے متعدی نہ ہونے کا استدلال کیا ہے۔ مگر ان کا یہ استدلال بوجوہ درست نہیں۔ خود محدثین کرام کا ایک جم غفیر تسلیم کرتا ہے کہ "لا عدوی" کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسے روایت کرنا ترک کر دیا تھا۔ ان سے اس معاملے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس روایت کا سرے سے انکار ہی فرما دیا۔ (۲۸) اگرچہ یہی حدیث دیگر طریق سے بھی مروی ہے اور اسی باعث قابل استناد قرار پائی ہے۔ مگر حضرت ابو ہریرہ کا اس سے سکوت معنی خیز ضرور ہے۔

ثانیاً لا عدوی کا "لا" جسے نحوی لائے نفی جنس کا نام دیتے ہیں، نفی کل کے بجائے نفی کمال کے لئے آتا ہے۔ قرآن و حدیث میں جہاں جہاں یہ لا استعمال ہوا ہے وہ ساری نصوص دیگر نصوص کے ساتھ متعارض قرار دے کر تاویلات کی گئی ہیں۔ تاویلات کے اس ختم نہ ہونے والے سلسلے سے بچنے کے لئے ہمیں یہ اصول ماننا پڑے گا کہ

"یہ لا اپنے بعد آنے والے کلمے کی مراد کا جوہر اصلی اور کمال سلب کرتا ہے، اس سے کلی نفی متصور نہیں ہوتی۔"

علمائے سلف اس اصول سے استفادہ اور استدلال کرتے آئے ہیں۔ مثلاً: حکم قرآنی "فاقرأوا ما تيسر من القرآن" (۲۹)

اور فرمان نبوی "لا صلوٰة الا بفاتحة الكتاب" (۳۰) کے مابین تعارض کو رفع کرنے کے ضمن میں معروف اصولی علامہ نظام الدین شاشی فرماتے ہیں:

"نحمل الخبر على نفي الكمال" (۳۱)

ترجمہ: ہم اس حدیث کو نفی کمال پر محمول کرتے ہیں۔

امراض کے متعدی ہونے کا انکار کرنے والے علماء کرام مندرجہ ذیل روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں:

عن جابر ان رسول الله ﷺ اخذ بيد مجذوم فادخل معه في القصعة ثم قال كل بسم الله ثقة بالله وتوكلا عليه (۳۲)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مجذوم کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ کھانے کے لئے برتن میں ڈالا پھر فرمایا: کھاؤ اللہ کا نام لیکر، اللہ پر پختہ ایمان رکھتے ہوئے اور اس پر بھروسہ رکھ کر۔

اسے روایت کرنے کے بعد امام ابو عیسیٰ ترمذی نے خود اس روایت پر عدم اعتماد کرتے ہوئے متصلاً بعد ایک اور حدیث ذکر کی ہے اور اس پر اعتماد کا اظہار بھی فرمایا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن بريدة ان عمر اخذ بيد مجذوم ....الى آخر الحديث.... (۳۳)

حضرت ابن بریدہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے ایک مجذوم کا ہاتھ پکڑ کر.....

اس طرح یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے، حضور رسالتمآب ﷺ کا عمل نہیں ہے۔ اور اگر ہوتا تب بھی آپ ﷺ کے عمل پر آپ کے حکم کو ترجیح دینا مجمع علیہ ہے۔ اسلام اعتدال کا راستہ پسند کرتا ہے۔ اور حد سے بڑھا ہوا توکل اسلامی تعلیمات سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ لہٰذا یہ اور اس طرح کی دیگر روایات، احادیث و آثار پر مبنی حسب ذیل دلائل کے ہم پلہ اور ان کا جواب قرار نہیں دی جا سکتیں:

۱۔ لا يورد ممرض على مصح (۳۴)

یعنی بیمار کرنے والے کو تندرست یا روبہ صحت کے پاس نہ لایا جائے۔

۲۔ فر من المجذوم كما تفر من الاسد (۳۵)

یعنی مجذوم (کوڑھی) سے اس طرح دور بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔

۳۔ كان في وفد ثقيف رجل مجذوم فارسل اليه النبي ﷺ انا قد بايعناك

فارجع (۳۶)

وفد ثقیف میں ایک مجذوم بھی شامل تھا۔ آپ ﷺ نے اسے کہلا بھیجا کہ ہم نے تمہیں بیعت کر لیا ہے تم واپس چلے جاؤ۔ (اسے اپنی بارگاہ میں حاضری کی اجازت بھی نہ دی اور مدینہ چھوڑ کر چلے جانے کا حکم بھی دیا۔)

۴۔ ناسخ الحدیث ومنسوخہ میں ابوحفص عمر بن احمد نے یہ حدیث نقل کی ہے:

عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ مر بوادی المجذومین فاسرع المشی فقال ان یکن یعدی فھذا ۔ (۳۷)

ترجمہ : حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مجذوموں کی ایک بستی سے گزر ہوا تو آپ ﷺ نے اپنی رفتار تیز کر دی اور فرمایا: اگر کوئی مرض متعدی ہے تو یہ ہے۔

۵۔ الطاعون رجز ارسل علی بنی اسرائیل او علی من کان قبلکم فاذا سمعتم بہ بارض فلا تقدموا علیہ واذا وقع بارض وانتم بھا فلا تخرجوا فرارا منہ و قال ابو النضر لا یخرجکم الا فرار منہ(۳۸)

ترجمہ : طاعون ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل یا تم سے پہلے لوگوں پر اتارا گیا۔ لہٰذا تمہیں کسی جگہ طاعون کی اطلاع ملے تو وہاں مت جاؤ اور اگر ایسی جگہ پہ پھیل جائے جہاں تمہارا قیام ہو تو وہاں سے نہ نکلو۔ ابو النضر کی روایت میں ہے: تم صرف اس سے بچنے کے لئے ہی نکل سکتے ہو۔

۶۔ مہلک اور متعدی امراض کے حامل مریضوں کے ساتھ غیر محتاط اختلاط اور میل جول قرآن مجید کے اس حکم کے عموم کے منافی عمل ہے:

لاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ (۳۹)

ترجمہ : تم اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔

۷۔ علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

قال البیھقی بعد ان اورد قول الشافعی ما نصہ الجذام او البرص یزعم اھل العلم بالطب والتجارب انہ یعدی الزوج کثیر ا(۴۰)

ترجمہ : بیہقی نے جذام اور برص کے بارے میں امام شافعی کا مؤقف بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: ''طبی ماہرین اور اس شعبے میں تجربہ رکھنے والے افراد کا خیال ہے کہ اکثر یہ مرض شریک حیات کو منتقل ہو جاتا ہے۔''

۸۔ علماء کرام اور فقہائے عظام امراض کے متعدی یا غیر متعدی ہونے کے حوالے سے خود اتنی تحقیق نہیں

رکھتے جو کہ حتمی رائے یا فیصلہ کن اقدام کی بنیاد بن سکتی ہو۔ ان کی زیادہ تر معلومات طبی ماہرین کی آراء کی مرہون منت ہیں۔ ذاتی علم و تجربے کا فقدان ہے۔ بناء بریں وہ اس معاملے میں اصولی طور پر طبی ماہرین کی آراء کی تائید و حمایت کے پابند ہیں۔ بالخصوص جبکہ نصوص میں تعارض پیدا کر دیا گیا ہو۔ ورنہ ان کا مؤقف قابل اعتنا نہیں ہوگا۔ قرآن مجید کا رہنما اصول ہے:

ولا تقف مالیس لک بہ علم ط ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا (۴۱)

ترجمہ: کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو، یقیناً کان، آنکھ اور دل، ہر ایک سے اس بارے میں باز پرس ہوگی۔

طبی تحقیقات سے یہ بات واضح اور طے ہو چکی ہے کہ امراض دو طرح کے ہوتے ہیں۔ متعدی اور غیر متعدی۔ لہٰذا دونوں طرح کی احادیث اپنے اپنے باب میں صحیح اور درست ہیں۔ متعدی امراض میں مبتلا مریضوں کی عیادت اور دیکھ بھال بھی انسانیت کا ایک ناگزیر تقاضا ہونے کے ناطے حکم شرع کا حصہ ہے۔ مگر اس سلسلے میں شریعت نے مناسب حفاظتی تدابیر اور ضروری احتیاطوں کو بھی لازم کیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

لا تدیموا النظر الی المجلمین واذا کلمتموھم فلیکن بینکم وبینھم قید رمح (۴۲)

ترجمہ: جذام میں مبتلا لوگوں کی طرف مسلسل مت دیکھو اور جب ان سے بات کرو تو تمہارے اور ان کے درمیان ایک نیزے برابر فاصلہ ہونا چاہئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں کبار صحابہ کرام کی مشاورت سے یہ مسئلہ طے کر لیا گیا تھا۔ ایک اہم معاملے پر قومی فکر و عمل کا رخ متعین کرنے کے لئے جو انداز آپ نے اختیار فرمایا آج کی پارلیمانی روایات اور علمی مجالس میں اس کی نظیر مشکل سے ہی ملے گی۔ حفظ مراتب کا پورا پورا لحاظ بھی ہے اور خواص جب کسی معاملے میں مناسب حل پیش کرنے سے قاصر رہیں تو مشاورت کے عمل کو بتدریج خواص سے عوام کی طرف منتقل کرنے کی تو ایک شاندار مثال ہے۔ پوری روئیداد اور اس کی شرعی حیثیت کے بارے میں سوالات کے جوابات بھی اسی میں مضمر اور موجود ہیں:

عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خرج الی الشام حتی اذا کان بسرغ لقیہ اھل الاجناد ابو عبیدۃ بن الجراح واصحابہ فاخبروہ ان الوباء قد وقع بالشام قال ابن عباس فقال عمر ادع لی المھاجرین الاولین فدعوتھم فاستشارھم واخبرھم ان الوباء وقع بالشام فاختلفوا فقال بعضھم قد

خرجت لامر ولانری ان ترجع عنه وقال بعضهم معک بقیة الناس واصحاب رسول الله ﷺ ولا نری ان تُقدمهم علی هذا الوباء .قال : ارتفعوا عنی . ثم قال:ادع لی الانصار فدعوتهم له ، فاستشار فسلکوا سبیل المهاجرین واختلفوا کاختلافهم .فقال : ارتفعو اعنی .ثم قال : ادع لی من کان ههنامن مشیخة قریش من مهاجرة الفتح .فدعوتهم .فلم یختلف علیه رجلان. فقالوا نری ان ترجع بالناس ولاتقدمهم علی هذا الوباء فنادی عمر فی الناس انی مصبح علی ظهر فاصبحوا علیه .فقال ابو عبیدة بن الجراح أ فرارا من قدر الله ؟فقال عمر لو غیرک قالها یا ابا عبیدة. وکان عمر یکره خلافه .نعم نفر من قدر الله الی قدر الله .ارأیت لو کانت لک ابل فهبت وادیا له عُدوتان احدهماخصبة والاخری جدبة .أ لیس ان رعیت الخصبة رعیتها بقدر الله وان رعیت الجدبة رعیتها بقدرالله .قال فجاء عبدالرحمن بن عوف وکان مُتغیّبا فی بعض حاجته. فقال: ان عندی من هذاعلما .سمعت رسول الله ﷺ یقول:اذا سمعتم به بارض فلا تقدموا علیه واذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا فرارمنه .قال فحمد الله عمر بن الخطاب ثم انصرف .(۴۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ جب سرغ کے مقام پر پہنچے تو لشکریوں میں سے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور ان کے ساتھیوں سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے بتایا کہ شام میں وباء پھیل گئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ مہاجرین اولین کو میرے پاس بلایا جائے۔ میں نے انہیں جمع کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام میں وباء پھیل جانے کے بارے میں انہیں بتایا اور ان سے مشورہ کیا۔ ان کی آراء مختلف تھیں۔ کچھ نے کہا: آپ ایک اہم کام کے لئے مدینہ سے نکلے تھے، ہم اس حق میں نہیں کہ آپ واپس ہو جائیں۔ (گویا معاملہ ان کے نزدیک بھی شریعت کا نہیں جرأت کا تھا) اور کچھ نے کہا: آپ کے ساتھ باقی لوگ بھی ہیں اور اصحاب رسول علی صاحبہم الصلوۃ والسلام بھی ہیں۔ ہم اس حق میں نہیں کہ آپ انہیں اس وباء میں لے کر جائیں۔ آپ نے مجلس برخاست کر دی۔ پھر فرمایا: انصار کو میرے پاس بلایا جائے۔ میں نے انہیں آپ کے پاس جمع کیا۔ آپ نے ان سے بھی مشاورت کا عمل دہرایا۔ انہوں نے بھی مہاجرین کا سا انداز اپنایا اور انہی کی طرح اختلاف رائے ہی دیکھنے کو ملا۔ آپ نے یہ مجلس بھی برخاست کر دی۔ پھر فرمایا: فتح مکہ کے موقع پر ایمان لانے والے قریش کے بزرگوں میں سے اگر کوئی یہاں ہے تو اس کو میرے پاس بلایا جائے۔ میں نے انہیں آپ کے پاس جمع کیا۔ ان میں سے کسی نے کسی سے کوئی اختلاف نہ کیا۔ سب نے کہا: ہماری رائے یہ ہے کہ آپ لوگوں کو لے کر واپس ہو جائیں اور انہیں

وباء زدہ علاقے میں لے کر نہ جائیں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منادی کرادی کہ میں صبح واپس جا رہا ہوں، تم لوگ بھی صبح واپسی کی راہ اختیار کرو۔ اس پر ابوعبیدہ بن الجراح نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بھاگنے کی کوشش۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: کاش یہ بات تمہارے علاوہ کوئی اور کہتا، آپ رضی اللہ عنہ کو حجت بازی پسند نہ تھی، ہاں ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تمہارے پاس کچھ اونٹ ہوتے اور تم انہیں چرانے کے لئے ایک ایسی وادی میں اترتے جس کے دو کنارے ہوتے۔ ایک سرسبز و شاداب اور دوسرا قحط زدہ ویران۔ کیا ایسا نہیں کہ تم انہیں سرسبز و شاداب کنارے لے جاتے تو تقدیر الٰہی کے تحت ہی ایسا ہوتا۔ اور اگر قحط زدہ ویران علاقے میں چرانے لے جاتے تو بھی اللہ کی تقدیر سے ہی ایسا ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: اسی اثناء میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف آ گئے۔ بوقت مشاورت آپ کسی غرض سے نکلے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا: میرے پاس اس معاملے میں ایک یقینی اطلاع ہے۔ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تمہیں کسی جگہ پر وباء کے پھیل جانے کی اطلاع ملے تو وہاں مت جاؤ۔ اور جب ایسی جگہ پھیل جائے جہاں تمہارا قیام ہو تو اس سے بھاگنے کی خاطر وہاں سے مت نکلو۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور واپس چلے گئے۔

علامہ نووی نے واپسی کے آپ کے فیصلے کے بارے میں لکھا ہے:

کان رجوع عمر لرجحان طرف الرجوع لکثرة القائلین به و انه احوط(۴۴)

ترجمہ: حضرت عمر کی واپسی اس لئے ہوئی کہ اس کے حق میں رائے دینے والوں کی کثرت کے باعث ان کا پلہ بھاری تھا اور احتیاط بھی اسی میں زیادہ ہے۔

حضرت سعید بن المسیب کی روایت سے اس فیصلے کے عملی نفاذ کی شہادت بھی ملتی ہے:

قال عمر بن الخطاب ایما رجل تزوج امرأة وبها جنون او جذام او برص فمسها فلها صداقها کاملا و ذلک لزوجها غرم علی ولیها (۴۵)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر کسی آدمی کی شادی کسی ایسی عورت سے ہوئی جسے جنون، جذام یا برص کا مرض لاحق تھا اور اس مرد نے اس عورت سے تعلق بھی استوار کر لیا تو اس عورت کو پورا مہر دلوایا جائے گا البتہ شوہر اس عورت کے ولی (جس نے مرض کو چھپائے رکھا) سے اتنا ہی تاوان لینے کا حقدار ہوگا۔

ان تمام احادیث و آثار اور آئمہ کرام کے اقوال کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام انسانیت کا دین ہے۔ انسانی اقدار کا پاس کرتا اور لحاظ رکھتا ہے۔ انسانی جان کی قدر و قیمت کا بھرپور احساس دلاتا ہے۔ ایک طرف ایک صحتمند انسان کو بلاوجہ متعدی امراض میں مبتلا افراد کے ساتھ اختلاط

سے روکتا ہے۔ تو دوسری طرف متاثرہ لوگوں کو بے یار و مددگار بھی نہیں رہنے دیتا۔ مرض سے دور رہنے اور نفرت کرنے کا درس دیتا ہے اور مریض کے دکھ بانٹنے کا حکم دیتا ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں کے اندر عقیدے کی صحت اور پختگی دیکھنا چاہتا ہے۔ ضعیف الاعتقادی اور اوہام پرستی سے انہیں روکتا ہے۔ ایمان باللہ راسخ اور قوت ارادی مضبوط اور غیر متزلزل ہو تو انسان بڑی سے بڑی مشکل صورتحال سے نبرد آزما ہو سکتا ہے۔

مریضوں کی عیادت آپ ﷺ کی ایک اہم سنت ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے معمولات میں، آپ ﷺ کی پوری حیات طیبہ میں ہمیں نظر آتا ہے کہ مریضوں کی عیادت بھی شامل تھی اور تادم وصال آپ ﷺ نے اپنی اس عادت شریفہ کو جاری وساری رکھا۔۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

کان رسول اللہ ﷺ یعود المساکین ویسال عنھم (۴۶)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ مساکین کی عیادت فرمایا کرتے اور ان کے حالات دریافت فرمایا کرتے تھے۔

آپ ﷺ مریضوں اور کمزوروں کا کس قدر خیال رکھتے تھے، حدیث ذیل سے اندازہ ہوتا ہے:

من أم قوما فلیخفف فان فیھم الکبیر وان فیھم المریض وان فیھم الضعیف (۴۷)

ترجمہ: تم میں سے اگر کوئی کہیں امام بنے تو نماز کو مختصر رکھے۔ اس لئے کہ نمازیوں میں بوڑھے بھی ہوتے ہیں، بیمار بھی اور کمزور بھی۔

آپ ﷺ نے اپنی امت کو بھی مریضوں کی عیادت کرتے رہنے کی تعلیم دی ہے۔ حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں:

امرنا بعیادۃ المریض (۴۸)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مریضوں کی عیادت کی تعلیم دی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ یقول یوم القیمۃ یابن آدم مرضت فلم تعدنی. قال: یا رب کیف اعودک و انت رب العلمین؟

قال: أما علمت ان عبدی فلانا مرض فلم تعدہ. أماعلمت انک لو عدتہ لوجدتنی عندہ. (۴۹)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائے گا: اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تو تو نے عیادت نہیں کی۔ بندہ کہے گا: تُو تو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، میں تیری عیادت کیسے کرتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمہیں پتا نہیں میرا فلاں بندہ بیمار تھا، مگر تم نے اس کی عیادت نہیں کی۔ تمہیں پتا نہیں اگر تم اس کی عیادت کرتے تو مجھے اس کے پاس ہی موجود پاتے۔

سماجی بہبود کے کاموں سے رسول اللہ ﷺ کو خاص رغبت تھی۔ اپنی امت کو بھی اس کی تعلیم دی:

قال رسول اللہ ﷺ فکوا العانی یعنی الاسیر واطعموا الجائع وعودوا المریض (۵۰)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیدیوں کو چھڑاؤ، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور مریض کی عیادت کیا کرو۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلیفعل (۵۱)

ترجمہ: تم میں سے کوئی اگر کسی بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے تو یہ کام اسے کرنا چاہیے۔

چنانچہ آپ ﷺ عیادت کے معاملے میں مؤمن اور غیر مؤمن کے درمیان بھی کوئی فرق روا نہ رکھتے تھے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں "باب عیادۃ المشرک" کا عنوان قائم کیا ہے اور اس میں مندرجہ ذیل حدیث لائے ہیں:

عن انس ان غلاما لیھود کان یخدم النبی ﷺ فمرض فاتاہ النبی ﷺ یعودہ فقال اسلم فاسلم (۵۲)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہودیوں کا ایک غلام تھا جو نبی اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہوا تو نبی اکرم ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی تو اس نے اسلام قبول کر لیا۔

ایڈز میں مبتلا فرد یا افراد یا اس طرح کی کسی بھی دوسری اذیت میں مبتلا لوگوں کو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھنا، انہیں عار دلانا، طعنہ دینا یا کسی بھی اور طریقے سے شرمندہ کرنا بجائے خود ایک شرمناک حرکت ہے۔ یہ انسانی ہمدردی کے اصولوں کے منافی ہی نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات کے بھی سراسر خلاف عمل ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال رسول اللہ ﷺ من عیر اخاہ بذنب لم یمت حتیٰ یعملہ (۵۳)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنے بھائی کو اس کی کسی حرکت پر عار دلائی جب تک ویسی ہی حرکت نہ کر لے گا اس کی موت واقع نہ ہوگی۔

حضرت واثلہ بن اسقع فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ لاتظھر الشماتۃ لاخیک فیرحمہ اللہ ویبتلیک (۵۴)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کی مصیبت زدگی پر مت ہنسو۔ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس پر تو رحم فرما دے اور تمہیں اس میں مبتلا کر دے۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب یہ اذیت اس کے اپنے کئے کی سزا ہو۔ اگر

ان حالات میں بھی اسلام اپنے پیروکاروں کو یہی تعلیم دیتا ہے کہ کسی کو شرمندہ کرنا یا اس کی کسی قبیح اور نامناسب حرکت پر اس کو عار دلانا مناسب نہیں تو ایڈز تو ایک ایسا مرض ہے کہ اس میں مبتلا شخص کے بارے میں ایسی کوئی رائے قائم کرنا بہت ہی مشکل ہے کہ یہ مرض اس تک پہنچا ہے تو کیسے پہنچا؟ بہت ممکن ہے کہ کسی ایڈز زدہ شخص کی استعمال شدہ سرنج کے استعمال سے یا اسی طرح کی کسی اور بے احتیاطی کے نتیجے میں یہ مرض اس کو بھی لاحق ہو گیا ہو۔ ایسے میں کسی پر کسی ناکردہ گناہ کی تہمت اور بھی بری اور قابل نفرین حرکت بن جاتی ہے۔

متعدی اور غیر متعدی امراض اور ان کے مقابل اسلامی رویوں کی یہ جھلک دیکھ لینے کے بعد اس نوع کے عصری امراض و مسائل کو ان پر آسانی سے قیاس کیا جاسکتا ہے۔ ایڈز کا مرض متعدی ضرور ہے مگر ایڈز زدہ مریض کے دائیں بائیں رہنے، قرب و جوار میں بسنے، اس کے ساتھ کھانے پینے یا اس کے استعمال شدہ برتن استعمال کرنے سے کسی اور کو یہ بیماری نہیں لگتی۔ نہ اس مرض میں مبتلا مریض کے پہنے یا استعمال شدہ کپڑوں کو پہننے یا کسی اور طرح سے استعمال کرنے سے کسی اور کو منتقل ہوتی ہے۔ ایڈز زدہ شخص تن تنہا اس آگ میں جلتا رہتا ہے۔ اس کے پھیلاؤ کا سب سے بڑا ذریعہ جنسی تعلقات یا اس معاملے میں بے راہ روی ہے۔ اور جنسی بے راہ روی ہے کیا؟ فطرت سے بغاوت اور قدرت کی طاقتوں کے خلاف اعلان جنگ۔ سزا اور انجام بھی اتنا ہی خوفناک اور بھیانک ہے جتنا کہ جرم سنگین۔

اسلام نے چار شادیوں تک کی اجازت دے رکھی ہے۔ اور قرآن مجید کے چوتھے پارے کے آغاز میں جنسی بے راہ روی کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ ہر مرد و عورت کو ان قرآنی احکامات کو بغور پڑھنا چاہئے اور جو کسی وجہ سے اس سے قاصر ہیں ان تک ان تعلیمات کو پہنچانے کی تمام ممکنہ صورتوں کو بروئے کار لایا جانا چاہئے۔ اس مرض کے پھیلاؤ کا دوسرا بڑا ذریعہ انتقال خون ہے۔ ایچ آئی وی وائرس کے حامل مریض سے لیا گیا خون یا ایسے خون سے ملوث خون کسی اور مریض کے لگا دینے سے بھی مرض منتقل ہوتا ہے۔ ایسے مریض کے خون سے آلودہ اوزاروں کے استعمال سے بھی یہ بیماری آگے منتقل ہو جاتی ہے۔ تیمارداری اور دیکھ بھال کرنے والوں کو اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

چنانچہ میاں یا بیوی کسی بھی ایک میں اگر ایڈز کے وائرس ایچ آئی وی کا سراغ ملے اور دوسرا متاثر نہ پایا جائے تو از روئے شرع بھی تفریق لازم ہو جاتی ہے۔ حکومت وقت کو یہ بھی اختیار حاصل ہے کہ ایسی قانون سازی کرے جو شادی کے خواہشمند مردوں اور عورتوں، دونوں یا دونوں میں سے کسی ایک، جہاں ضرورت ہو یا شبہ و امکان پایا جائے، کے لئے ایڈز فری ٹیسٹ کو لازم کر دے۔ اسی طرح متاثرہ جوڑے کے ہاں ولادت کو روکنے کے لئے بھی موثر اقدامات ناگزیر ہیں۔ اس کے لئے نس بندی یا کنڈوم کا استعمال یا ضبط تولید کا کوئی اور طریقہ جو موثر ممکن اور مناسب حال ہو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

اسلام دین فطرت ہے۔ پوری انسانیت کا دین ہے۔ حیات ارضی میں رونقیں بکھیرتا ہے اور کسی طرح کے رخنے نہیں چاہتا۔ لہٰذا ہر اس اقدام کا حامی ہے جو انسانیت کی حقیقی اور سچی فلاح و بہبود کا ضامن ہو۔

حوالہ جات

۱۔ قرآن حکیم، سورۂ بنی اسرآئیل (۱۷)، آیت: ۷
۲۔ قرآن حکیم، سورۂ نساء (۴)، آیت: ۲۷
۳۔ قرآن حکیم، سورۂ بروج (۸۵)، آیت: ۱۲
۴۔ قشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ثانی ۱۹۵۶، جلد دوم، ص: ۲۲۸
۵۔ ایچ آئی وی کی روک تھام میں دینی رہنماؤں کا کردار، اولین اشاعت، جاری کردہ: نیشنل ایڈز کنٹرول پروگرام حکومت پاکستان، ص: ۲
۶۔ قرآن حکیم، سورۂ اعراف (۷)، آیات: ۸۰ تا ۸۲۔ مزید دیکھئے: سورۂ اعراف (۷)، آیات: ۵۴ تا ۵۶
۷۔ قرآن حکیم، سورۂ ھود (۱۱)، آیت: ۸۲۔ نیز دیکھئے: سورۂ حجر (۱۵)، آیت: ۷۴
۸۔ قرآن حکیم، سورۂ بنی اسرآئیل (۱۷)، آیت: ۳۲
۹۔ ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل، مسند احمد، مسند بنی ہاشم، رقم الحدیث: ۲۷۶۳
۱۰۔ البیہقی، احمد بن حسین بن علی ابوبکر، السنن الکبریٰ، بیروت، دارالمعرفۃ، طبع اول ۱۳۵۴، جلد ۸، صفحہ ۲۳۲
۱۱۔ حوالہ بالا
۱۲۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، شرح الفقایہ، کراچی، ایچ ایم سعید، جلد دوم، صفحہ ۳۸۵
۱۳۔ الحصکفی، محمد بن علی بن محمد علاء الدین، درمختار برحاشیہ ردالمحتار، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، جلد سوم، صفحہ ۱۷۱
۱۴۔ اوزجندی، حسین بن منصور، فتاویٰ خانیہ برحاشیہ فتاویٰ عالمگیری، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، جلد سوم، ص: ۳۶۹
۱۵۔ الحصکفی، محمد بن علی بن محمد علاء الدین، درمختار برحاشیہ ردالمحتار، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، جلد سوم، صفحہ ۱۷۱
۱۶۔ قرآن حکیم، سورۂ انفال (۸)، آیت: ۲۵
۱۷۔ قرآن حکیم، سورۂ زلزال (۹۹)، آیات: ۷ و ۸
۱۸۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ابوعیسیٰ، جامع ترمذی، ملتان، فاروقی کتب خانہ، ص: ۲۵، ج: دوم
۱۹۔ قشیری، مسلم بن حجاج امام المحدثین، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ ۱۹۵۶، ص: ۲۵، ج: دوم
۲۰۔ قرآن حکیم، سورۂ مائدہ (۵)، آیت: ۲
۲۱۔ حاکم، محمد بن عبداللہ ابوعبداللہ نیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین، بیروت، دارالکتب العلمیہ ۱۹۹۰، ص: ۴۴۳، ج: ۳
۲۲۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ابوعیسیٰ، جامع ترمذی، ملتان، فاروقی کتب خانہ، ص: ۳۱، ج: دوم
۲۳۔ قرآن حکیم، سورۂ نجم (۵۳)، آیت: ۳۹
۲۴۔ قشیری، مسلم بن حجاج امام المحدثین، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ ۱۹۵۶، ص: ۳۳۰، ج: دوم
۲۵۔ قرآن حکیم، سورۂ فرقان (۲۵)، آیت: ۴
۲۶۔ ابوعیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی، ملتان، فاروقی کتب خانہ، ص: ۳۷، ج: دوم

٢٧۔ نووی شرف الدین یحییٰ، شرح صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ١٩٥٦، ص ٣٢٩، ج: دوم
٢٨۔ قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ١٩٥٦، ص: ٣٣٠، ج: دوم
٢٩۔ قرآن حکیم، سورۃ نحل (١٦)، آیت: ٤٠
٣٠۔ ابو عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی، ملتان، فاروقی کتب خانہ۔ ص ٣٣، ج: اول
٣١۔ شاشی نظام الدین، اصول الشاشی، ملتان، مکتبہ امدادیہ، ص: ٨
٣٢۔ ابو عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی، ملتان، فاروقی کتب خانہ۔ ص: ٣، ج: دوم
٣٣۔ حوالہ بالا
٣٤۔ قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ١٩٥٦، ص: ٣٣٠، ج: دوم
٣٥۔ بخاری محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ١٩٦١، ص: ٨٥٠، ج: دوم
٣٦۔ قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ١٩٥٦، ص: ٣٣٣، ج: دوم
٣٧۔ ابو حفص عمر بن عثمان بن شاہین، ناسخ الحدیث ومنسوخہ، الزرقاء، مکتبۃ المنار، ١٩٨٨، ص: ٣٠٧
٣٨۔ قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ١٩٥٦، ص: ٣٣٨، ج: دوم
٣٩۔ قرآن حکیم، سورۃ بقرہ (٢)، آیت: ١٩٥
٤٠۔ عسقلانی احمد بن حجر شہاب الدین، فتح الباری، مکہ مکرمہ، مکتبۃ الثقافۃ، ١٣٩٣، ص: ١٣١، ج: دوم
٤١۔ قرآن حکیم، سورۃ بنی اسرائیل (١٧)، آیت: ٣٦
٤٢۔ ابو عبد اللہ احمد بن محمد حنبل شیبانی امام، مسند احمد، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ١٩٩١، ص: ١٣٦، ج: اول
٤٣۔ قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ١٩٥٦، ص: ٣٢٩، ج: دوم
٤٤۔ نووی شرف الدین یحییٰ، شرح صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ ١٩٥٦، ص: ٣٢٩، ج: دوم
٤٥۔ مالکی انس بن مالک امام، موطا، کراچی، نور محمد، ص: ٣٩٩
٤٦۔ نسائی احمد بن شعیب ابو عبد الرحمن، سنن نسائی، اسلام آباد، وفاقی وزارت تعلیم، ١٩٨٧، ص: ٢٤٠، ج: اول
٤٧۔ قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ ١٩٥٦، ص: ٢٨٨، ج: اول
٤٨۔ بخاری محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ١٩٦١، ص: ٧٧٧، ج: دوم
٤٩۔ قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ ١٩٥٦، ص: ٣١٨، ج: دوم
٥٠۔ بخاری محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ١٩٦١، ص: ٣٢٨، ج: اول
٥١۔ قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ ١٩٥٦، ص: ٢٢٣، ج: دوم
٥٢۔ بخاری محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ١٩٦١، ص: ٨٣٣،٣٥، ج: دوم
٥٣۔ ابو عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی، ملتان، فاروقی کتب خانہ۔ ص: ٧٣، ج: دوم
٥٤۔ حوالہ بالا

☆☆

تقویمات اور قدرتی مظاہر

محمد شاہد قریشی

نگران واسسٹنٹ پروفیسر

انسٹیٹیوٹ آف اسپیس اینڈ پلانیٹری ایسٹروفزکس

جامعہ کراچی، کراچی

دنوں، ہفتوں، مہینوں اور سالوں کا حساب رکھنے کے نظام کو تقویم کہا جاتا ہے (1)۔ ایک دن، ایک مہینہ اور ایک سال ایسے دورانیے ہیں جن کا براہ راست تعلق ارض وسماء کی گردشوں سے ہے لہٰذا وقت کی ان اکائیوں کا حساب کتاب رکھنے کے لئے ارض وسماء کی گردشوں کو سمجھنا اور اس کی پیمائش مکمل صحت اور درستگی کے ساتھ کرنا ایک اہم تقویمی مسئلہ ہے۔ چاہے روز مرہ معمولات کا سلسلہ ہو یا انتہائی باریک سائنسی معاملات ہوں صحت اور درستگی کا کوئی نہ کوئی معیار متعین کرنا ضروری ہوتا ہے۔

ایک عام فرد کے لئے صرف دنوں کے شمار کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ ایک دن کا دورانیہ ایک طلوع (یا غروب) آفتاب سے اگلے طلوع (یا غروب) آفتاب کو متعین کرے مگر کسی زیادہ دقیق مسئلہ کے لئے یہ دورانیہ معیار نہیں ہو سکتا کیونکہ ایک طلوع آفتاب سے اگلے طلوع آفتاب تک کے دورانیے میں تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے اور یہ تبدیلی ایک سے دوسرے دن تک منٹوں میں ہوتی ہے اور ایک ماہ سے دوسرے ماہ تک ایک گھنٹے سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے چنانچہ ایک دن کے دورانیے کے لئے طلوع آفتاب سے اگلے طلوع آفتاب تک معیار نہیں ہو سکتا۔

ایک نصف النہار (عین دوپہر کا وقت جب سورج آسمان پر بلند ترین ہوتا ہے) سے دوسرے نصف النہار تک کا دورانیہ مقابلتاً بہتر معیار ہو سکتا ہے جبکہ اس دورانیے میں ایک دن سے اگلے دن تک صرف چند سیکنڈوں کا فرق پڑتا ہے اور یہ دورانیہ ہر روز لگ بھگ چوبیس گھنٹے کا ہوتا ہے۔ اس دورانیہ کو ایک شمسی دن (solar day) کہا جاتا ہے (2)۔ مگر وقت کا ایسا حساب کتاب جس میں ایک سیکنڈ کی غلطی بھی بہت اہم ہو سکتی ہے ایسے معاملات میں اس دورانیہ کو بھی معیار مقرر نہیں کیا جا سکتا۔

اب ایک عام انسان کے لئے نئے دن کا آغاز طلوع آفتاب کے معیار پر ہی ہوسکتا ہے مگر آج عام زندگی کے بہت سے معمولات سے لے کر گہرے سائنسی معاملات تک دن کے آغاز کے لئے لمحے کا تعین ایک زیادہ غور طلب مسئلہ ہے۔

ایک دن کے دورانیہ کے معیار پر یہ بحث اس لئے کی گئی ہے کہ تقویم کے لئے مشاہدات اور فکر کی گہرائی کی ضرورت کو عیاں کیا جاسکے۔ تقویم کے تعین کے لئے یہ بات اہم ہے کہ کوئی دن، کوئی مہینہ اور کوئی سال کس وقت شروع کیا جائے؟ مہینہ کا آغاز اور سال کا آغاز ہی تقویم کے اصل مسائل تصور کیے جاتے ہیں جبکہ عام طور پر دن کے آغاز کے تعین پر کوئی سوال نہیں اٹھایا جاتا۔ حالانکہ ایک دن کے آغاز کے تعین کی اہمیت بھی اتنی ہی غور طلب ہے جتنی کہ ایک مہینہ یا ایک سال کے آغاز کے تعین کی۔

آج کے معلوم علوم کے مطابق گردش سماوی درحقیقت ہمارے سیارے زمین یا کرہ ارض ہی کی گردشوں کا مظہر ہے۔ زمین کی گردشیں دو اقسام کی ہیں۔

(۱) زمین کی اپنے محور کے گرد گردش:

اس گردش کی وجہ سے ہمیں سطح زمین سے آسمان کے مشاہدے کے دوران آسمان اور آسمان میں موجود تمام اجرام بشمول چاند (جب وہ نظر آرہا ہو) سورج، سیارے اور ستارے مشرق سے طلوع ہوکر مغرب کی جانب محو سفر نظر آتے ہیں اور بالآخر مغرب میں غروب ہوجاتے ہیں یوں زمین کی اپنے محور کے گرد ایک مکمل گردش یا آسمان کی ہمارے گرد ایک مکمل گردش ایک دن کہلاتی ہے یہ دورانیہ سالانہ اوسط کی بنیاد پر متعین کیا گیا ہے اور تمام معاشی اور معاشرتی معاملات میں یہ چوبیس گھنٹہ کا ہوتا ہے اور تکنیکی اعتبار سے ایک اوسط شمسی روز (Mean solar day) کہلاتا ہے (2)۔ گذشتہ صدی تک تمام سائنسی معاملات میں یہ دورانیہ وقت کی بنیادی اکائی سمجھا جاتا تھا البتہ گذشتہ چوتھائی صدی سے وقت کی اکائیوں کی اساس جدید نظریہ اضافیت کی وجہ سے ایٹمی وقت سے منسلک کردی گئی ہے اور اوسط شمسی وقت کو ایٹمی وقت کے معیار پر وقتاً فوقتاً ایک "لیپ سیکنڈ" کے اضافہ کے ذریعے درست کیا جاتا ہے (3)۔ اگر کوئی فرد واحد یا کوئی قوم وقت کے ان معیارات کے علم سے بے بہرہ ہے تو جان لیجئے کہ وقت کی کوئی ڈور بھی اس کے ہاتھ میں نہیں رہ سکتی۔

فلکیاتی اعتبار سے دن کا آغاز اوسط شمسی وقت دن کے بارہ بجے سے کیا جاتا ہے اور تمام حسابات میں چاہے ان کا تعلق نظریات سے ہو یا مشاہدات اور تجربات سے دنوں کی گنتی و شمار اسی وقت سے کیا جاتا ہے (2)۔ البتہ سول (Civil) مقاصد کے لئے دن کا آغاز اوسط شمسی وقت کے مطابق

رات بارہ بجے سے کیا جاتا ہے اور اس لمحے کو صفر گھنٹہ (Zero hour) کہا جاتا ہے، رائج شمسی تقویم میں بھی دن کا آغاز اسی لمحے یعنی نصف شب سے کیا جاتا ہے (2)۔ تمام ممالک میں رائج معیاری وقت کا آغاز بھی اسی لمحے سے کیا جاتا ہے۔ عرض البلد کے پندرہ درجوں کے فرق سے دنیا کو چوبیس زونوں (Zones) میں تقسیم کردیا گیا ہے چنانچہ ہر پندرہ درجہ عرض البلد کے فرق پر معیاری زون وقت (Zone time) میں ایک گھنٹہ کا فرق متعین کردیا گیا ہے۔ ہر دو مسلسل زونز میں نصف شب کا لمحہ ایک گھنٹہ کے فرق سے آتا ہے جب وہاں تاریخ تبدیل ہوتی ہے۔ کرہ ارض کے شرقی زونز میں تاریخ کی تبدیلی مغربی زونز سے پہلے واقع ہوتی ہے۔

(۲) زمین کی دوسری گردش:

زمین کی دوسری گردش سورج کے گرد اپنے مدار میں سفر ہے۔ عام طور پر ہم زمین کی سورج کے گرد ایک مکمل گردش کے دورانیہ کو ایک سال کہتے ہیں البتہ اس دورانیہ کے درست تعین کے نہ ہونے کی وجہ سے شمسی تقویم میں ایک اہم سقم پایا جاتا ہے۔ دو ہزار برس قبل جولین تقویم (Jolian Calendar) کی ابتدا یونانی بادشاہ جولیس سیزر کے زمانے سے ہوئی اس میں شمسی سال کا تعین 365.25 روز کیا گیا (4)۔ اور یہ طے پایا کہ وہ برس جو 4 چار پر مکمل تقسیم نہیں ہوتا 365 روز کا ہوگا وگرنہ 366 دن کا ہوگا لہٰذا ہر صدی میں پچیس برس 366 دن کے (لیپ کے سال) اور 75 برس 365 دن کے ہوئے مگر 1582ء میں اس جولین تقویم کو گریگورین تقویم (Gregorian Calendar) سے بدل دیا گیا۔ گریگورین تقویم میں شمسی سال کا دورانیہ 365.24 دن ٹھہرا اور یہ طے پایا کہ چار سو برسوں میں 100 لیپ کے سالوں کی بجائے 97 لیپ کے سال ہوں گے۔ لیپ کے سال کے عام اصول کے علاوہ وہ برس جس میں اکائی اور دھائی کے ہندسے صفر ہوں (یعنی 1700,1800,1900,2000 وغیرہ) اگر وہ چار سو پر تقسیم نہ ہوتے ہوں تو یہ 365 دن کے ہوں گے وگرنہ 366 دن کے۔ مگر شمسی تقویم کے اس ارتقائی مرحلہ میں تقویم سے دس دن مکمل طور پر حذف کردیئے گئے اور جمعرات 4 اکتوبر 1582ء کے بعد اگلے روز یعنی جمعہ کی تاریخ 15 اکتوبر 1582ء مقرر ہوئی (4-5)۔ مختلف ممالک اور معاشروں نے اس تبدیلی کا مختلف ادوار میں اطلاق کیا۔ چنانچہ شمسی تقویم کے اس سقم کی وجہ سے مختلف تواریخ میں تاریخوں کا تقابل آج بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔

رائج شمسی تقویم یعنی گریگورین تقویم میں نئے برس کا آغاز 31 دسمبر اور یکم جنوری کی درمیانی شب اوسط شمسی وقت کے مطابق رات بارہ بجے کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ دن اور رات کی طوالت کے اعتبار سے جو تبدیلیاں روز بروز مختلف موسموں میں ہوتی رہتی ہیں ایک معیار ابتدا وہ دن بھی ہوسکتا ہے جس دن، دن اور رات کی طوالت برابر ہوتی ہے۔ اس دن کو eqvinox کہا جاتا ہے (2) مگر ایک سال میں ایسے دو دن ہوتے ہیں ایک لگ بھگ 21 مارچ (Spring Equinox) اور دوسرا لگ بھگ 21 ستمبر (Automal Equinox) کو۔ اس اعتبار سے اگر سال کو دو حصوں میں تقسیم کردیا جائے یعنی ایک 21 مارچ سے 20 ستمبر (جس دوران دن کی طوالت

رات کی طوالت سے زیادہ ہوتی ہے) اور دوسرا 21 ستمبر سے 20 مارچ تک۔ تو رائج شمسی تقویم میں ایک غیر لیپ سال میں سال کے پہلے نصف میں 184 اور دوسرے نصف میں 181 دن ہوں گے (جبکہ لیپ سال میں پہلے نصف میں 184 اور دوسرے نصف میں 182 دن ہوں گے)

اس طرح کے دو نصف سالوں کی طوالت کا یہ فرق اس بات کو واضح کرتا ہے کہ آسمان کی سالانہ گردش (یا زمین کی سورج کے گرد مداری گردش) کی رفتار یکساں نہیں ہے۔ مارچ سے ستمبر کے دوران یہ گردش سست روی کا شکار رہی ہے جبکہ ستمبر سے مارچ کے دوران اس میں تیزی رہتی ہے۔ شمسی تقویم میں مہینوں کے دنوں کی تعداد کے تعین کا تعلق اسی فرق سے ہے اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث کے لئے ایک مکمل مضمون درکار ہوگا۔

زمین کی ان دو مختلف گردشوں "محوری گردش" اور "مداری گردش" کی بناء پر ایک دن کے دورانیہ اور ایک برس کے دورانیہ کے تصورات صدیوں ارتقائی مراحل سے گزر کر آج جس مقام پر ہیں اس کے پس منظر میں انتہائی گہری ریاضیاتی، طبیعیاتی، فلکیاتی، نظریاتی اور مشاہداتی کاوشوں کا سمندر موجزن ہے۔

اگر آج (خدانخواستہ) نسلِ انسانی کسی ایسے حادثے کا شکار ہو جائے کہ علم اور ٹیکنالوجی محفوظ نہ رہے اور انسانوں کی ایک قلیل تعداد زندگی کو رواں دواں رکھنے کے لئے بچ جائے تو اس کے لئے تقویم کے حساب کتاب کے لئے صرف دو ہی فلکیاتی اور قدرتی مظاہر موجود ہوں گے۔ سورج کا طلوع (غروب) یا نصف النہار اور چاند کی گھٹتی بڑھتی شکلیں اور ان کا دورانیہ !!!

دراصل علم کی تاریخ اور اس کے ارتقاء کے ابتدا میں بھی تقویمی معاملات میں یہ ہی دو قدرتی مظاہر انسانیت کے راہنما تھے۔ انگریزی لفظ month یعنی مہینہ کا مخرج لفظ moon یعنی ماہتاب ہے۔ چنانچہ ہر قدیم تہذیب اور تمام قدیم مذاہب میں اولاً تقویمات کی اساس چاند کی گردش رہی ہے۔ وہ تقویمات جن کی اساس چاند کی گردشیں ہیں قمری تقویم (LUNAR CALENDARS) کہلاتی ہیں۔ البتہ ہر قمری تقویم میں شمسی تقویم کی طرح ایک برس بارہ ماہ پر ہی مشتمل ہوتا ہے۔

چاہے قمری تقویم ہو چاہے شمسی، 12 ماہ کے رواج کا براہ راست تعلق زمین کی سورج کے گرد مدار میں گردش ہے۔ مگر کسی قدیم تہذیب میں زمین کی سورج کے گرد گردش کا تصور براہ راست موجود نہیں تھا۔ ہاں گردشِ سماوی کے دو مختلف پہلو قدیم ترین فلکیات دانوں اور عام مشاہدین کے لئے بالکل عیاں تھے۔

آسمان کی ایک گردش وہ ہے جس کی بناء پر آسمان پر موجود تمام اجرام مشرق کی جانب سے طلوع ہو کر آسمان پر مغرب کی طرف سفر کرتے ہوئے مغربی افق پر غروب ہوتے نظر آتے ہیں۔ مگر آسمان

کی سالانہ گردش بھی باریک بین مشاہدین کے لئے بالکل واضح تھی۔ اس گردش کا اندازہ اس مشاہدے سے آج بھی با آسانی لگایا جا سکتا ہے کہ ستاروں کے وہ جھرمٹ جو سردیوں کے موسم میں صبح طلوع آفتاب سے پہلے مشرقی آسمان پر طلوع ہوتے ہیں وہی جھرمٹ بہار کے موسم میں نصف شب کے وقت مشرقی آسمان پر طلوع ہوتے ہیں۔ پس سردی کے موسم کے عین وسط سے بہار کے موسم کے عین وسط تک آسمان 90 درجے مغرب کی جانب گردش کر چکا ہوتا ہے۔ چونکہ سورج بھی آسمان ہی کا ایک حصہ ہے لہٰذا وہ بھی آسمان کے ساتھ لگ بھگ تین مہینوں میں 90 درجے مشرق سے مغرب کی جانب گردش کر چکا ہوتا ہے۔

اس سالانہ گردشِ سماوی کی بنیاد پر ماہرین نجوم نے آسمان کی 12 منزلیں یا بُرج zodaic مقرر کر دیے ہیں (4)۔ ہر منزل 30 درجے پر مشتمل ہے اور سورج ہر منزل میں تقریباً ایک ماہ سفر کرتا ہے۔ ستاروں کے جھرمٹوں کے طلوع اور غروب کے سالانہ حساب کتاب سے ہی اولاً یہ اندازہ لگایا گیا کہ آسمان کی یہ گردش 365 دنوں میں مکمل ہوتی ہے۔ حسابات کی صحت اور درستگی کے معیار میں اضافہ کے ساتھ ساتھ پہلے اس سالانہ گردشِ سماوی کا دورانیہ 365.25 دن مقرر ہوا اور شمسی تقویم میں لیپ کے سال کا تصور آیا۔ بعد ازاں یہ دورانیہ 365.24 دن مقرر ہوا اور موجودہ گریگورین شمسی تقویم کا رواج ہوا۔ (4)

بابل اور اس سے بھی قدیم تہذیبوں میں یہ تصور موجود تھا کہ بارہ قمری مہینوں کا دورانیہ ایک شمسی سال کے دورانیہ سے تقریباً دس روز کم ہے اسی وجہ سے خالص قمری تقویم اور خالص شمسی تقویم کے علاوہ ہمیں تاریخ میں "قمر شمسی تقویم" (LUNI-SOLAR CALENDAR) بھی ملتے ہیں اس قسم کی تقویم میں قمری تقویم کو شمسی تقویم کے برابر رکھنے کے لئے دس یا گیارہ دنوں کا ایک تیرہواں مہینہ شامل کر لیا جاتا تھا (1) اس قسم کی ایک اور تقویم میں بارہ مہینوں کے تین قمری سال گزرنے کے بعد چوتھے قمری سال میں ایک مکمل قمری مہینے کا اضافہ کر کے 13 قمری مہینوں کا ایک قمری سال بنا لیا جاتا تھا۔ اس اضافی قمری مہینے کو آپ ایک قمری لیپ مہینہ کہہ سکتے ہیں۔ (4)

شمسی تقویم کے ارتقاء کے سلسلے میں آسمان کی سالانہ گردش کا ذکر کیا گیا، اس سے عیاں ہوتا ہے کہ کرہ ارض پر کسی بھی مقام پر موسموں کی تبدیلی ایک دوری (periodic) مظہر ہے اور تمام موسموں کی تبدیلی کا ایک مکمل دور (period) ہی دراصل ایک شمسی سال ہے۔ انسانی تاریخ میں زراعت اولاً سب سے اہم معاشی اور معاشرتی معاملہ رہا ہے اور انسانی معاشرت میں مختلف موسم مختلف اہم معاملات سے منسلک رہے ہیں۔ اسی بناء پر موسموں کی تبدیلی کا ایک مکمل دورانیہ تقویمات کیلئے اہمیت اختیار کرتا چلا گیا۔ خالص قمری تقویم موسموں کے دورانیہ سے آزاد ہونے کی وجہ سے معاشی اور معاشرتی معاملات سے دور ہوتی چلی گئی۔ قمر شمسی تقویم (ہر سال دس گیارہ دنوں کے اضافی تیرھویں مہینے یا ہر چار سال بعد ایک

مکمل اضافی تیرھویں مہینے کی ضرورت کی پیچیدگی کی وجہ سے) عام استعمال میں زیادہ عرصہ رائج نہ رہ سکی۔

مختلف مذاہب اور ادیان نے انسانی معاشرت پر جو گہرے اثرات مرتب کیے ان میں سے ایک تقویم بھی ہے۔ تقویم کے معاملات اسی وجہ سے مذاہب اور ادیان کے رہنماؤں اور علماء کے کنٹرول میں رہے ہیں۔ یا تو یہ راہنمایانِ مذاہب خود علمِ نجوم کے ماہر تھے یا انہوں نے وقت کے عظیم ماہرین نجوم کی خدمات حاصل کیں۔ مگر یہ طے ہے اور درج بالا بحث سے بھی واضح ہو چکا ہے کہ چاہے شمسی تقویم کے معاملات ہوں یا قمر شمسی تقویم کے، تقویمی معاملات عمومی طور پر ماہرین نجوم کی مہارت کے تابع رہے ہیں۔

گزشتہ بحث سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ خالص قمری تقویم مشاہداتی اعتبار سے ایک عام انسان کو ماہرین نجوم کے اتباع سے آزاد کر دیتی ہے۔ کیونکہ دنوں کا شمار طلوع یا غروب آفتاب سے اور مہینوں کا شمار چاند کی گھٹتی بڑھتی شکلوں کے دورانیہ سے کرنا ہر عام انسان کی دسترس میں ہے۔ علم ٹیکنالوجی اور باریک حساب کتاب کی اہلیت ہو یا نہ ہو یہ دونوں قدرتی مظاہر انسانیت کے لئے راہنمائی کرتے رہیں گے۔ خالص شمسی تقویم کی طرح نہ تو قمری تقویم سے کچھ تاریخوں کو مکمل طور پر حذف کرنے کی ضرورت پیش آئے گی اور نہ ہی قمر شمسی تقویمات کی طرح آدھے پونے اضافی مہینہ کی ضرورت ہے۔

اس مضمون میں ہم نے تقویم سے متعلق بنیادی فلکیاتی مظاہر پر مختصر گفتگو پیش کرتے ہوئے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ تقویم کے معاملات کی اساس کیا ہے؟ اور خالص شمسی تقویم کی اہمیت کیا ہے؟ یا قمر شمسی تقویم کی پیچیدگیوں کے مختلف پہلو کیا ہیں؟ اسی تناظر میں تقویم کا ماہرین علم نجوم کے تابع رہنا اور ایک عام انسان کے لئے خالص قمری تقویم کی افادیت یہ دونوں پہلو واضح کر دیئے ہیں۔ اسی سلسلے کے اگلے مضمون میں انشاء اللہ قمری تقویم کے فلکیاتی پہلوؤں، تاریخ اور جدید فلکیاتی نظریات پر سیر حاصل بحث پیش کی جائے گی۔

کتابیات

1- Dogget .LE, "Caleidars", Explanatory Supplement to the Astronomical Almanac, P.K.Deildman,ed, University Science Books, Mill Valley , Ca, pp. 575-608.

2- Smart, W.M, " Text-Book on Spherical astronomy", Cambridge University press, London, 1962.

3- Notes on time Scales, Astronomical Almanac,

U.S.Govt. Printing office Washington, 2004.

4- Reingold , E.M and Dershowitz, N, "Calendrical Calculations; Millenium Edition. "Cambridge University" Press. Cambridge , UK, 2001.

5- Chapront-Touze,M. and Chapront, J, "Lunar Tables and Progrems", Willman-Bell, Inc. Virginia, US, 1991.

☆☆

مقالہ نگاروں کے لیے خصوصی ہدایات واطلاعات

۱۔ مقالات علمی، فکری اور تحقیقی نوعیت کے ہونے چاہئیں۔

۲۔ مقالات فل سکیپ سائز کے اوراق پر کاغذ کے صرف ایک طرف خوشخطی سے لکھے جائیں۔

۳۔ کمپوزڈ مقالے مع سی ڈیز کے قابل ترجیح ہوں گے۔

۴۔ بہتر ہوگا کہ مقالے کی اصل کاپی کے ساتھ دو نقول بھی ارسال فرمائیں۔

۵۔ مقالات ریفریز کی مثبت رپورٹ کے بعد شائع کیے جائیں گے۔

۶۔ مقالہ نگار حضرات پہلے سے شائع شدہ مقالات ومضامین ہرگز نہ بھیجیں۔ ورنہ ان کے مضامین کی اشاعت آئندہ کے لیے روک دی جائے گی۔

خصوصی نوٹ:

مجلس تفسیر بعض نامور علماء ومشاہیر اساتذہ کے جو علمی، فکری وتحقیقی مضامین منتخب کر کے شائع کرتی ہے وہ دراصل علمی ودینی خدمت کے پیش نظر ایسا کرتی ہے۔ مجلس التفسیر یہ سمجھتی ہے کہ نئے مگر غیر معیاری مضامین ومقالات سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ پرانے مگر معیاری مضامین شائع کیے جائیں۔ ہمارے اس جذبہ کو ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ (انڈیا) نے اپنی مئی ۲۰۰۵ء کی اشاعت میں سراہا ہے۔ مجلس اس پسندیدگی پر ان کی شکر گزار ہے۔

ایچ آئی وی ، ایڈز اور ہماری نوجوان نسل

ڈاکٹر تاج محمد
وائٹ ہاؤس گرامر اسکول، گلشن اقبال بلاک نمبر ۳ کراچی

نوجوانوں کو ایچ آئی وی / ایڈز سے بچانے کا معاملہ آج کے دور کا ایک اہم ترین اور سلگتا ہوا بین الاقوامی موضوع ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ اس پہلو پر خصوصی توجہ دی جائے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہی کہی جاسکتی ہے کہ آج ہمارے نوجوانوں کی حالت زار نے ان میں اس موذی اور مہلک مرض کے پھیلاؤ کے امکانات کو بہت زیادہ کر دیا ہے۔ نوجوان مستقبل کے معمار ہوتے ہیں۔ مگر نوجوان کہہ کر ہم اپنے معاشرے کا جو طبقہ مراد لیتے ہیں، از روئے شریعت ان کی ذمہ داریاں صرف مستقبل پہ ہی موقوف نہیں ہیں۔ یہ لوگ فی الحال بھی اپنی زندگیاں شریعت کے سانچے میں ڈھالنے اور اس کے مطابق بسر کرنے کے اصولی طور پر پابند ہیں۔

بین الاقوامی سطح پر مسلمہ اصولوں کی روشنی میں ۱۵ سے ۲۴ سال کی عمر کے افراد نوجوان کہلاتے ہیں۔ ۱۵ سال کی عمر سے ہی قمری طور پر سن بلوغ شروع ہو جاتا ہے۔ اور یہی وہ حد ہے جسے عبور کرتے ہی شریعت اسلامی کے تحت جملہ انسانی حقوق اور فرائض لازم ہو جاتے ہیں۔ البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اپنی مذہبی، اخلاقی اور سماجی ذمہ داریوں سے بیگانگی اور لاتعلقی کا رجحان بھی سب سے زیادہ اسی طبقے میں پایا جاتا ہے۔

بہر حال ہمیں اس طبقے سے شکوے کم اور ہمدردیاں زیادہ ہیں۔ یہ طبقہ اہل خرد کی توجہ کا سب سے زیادہ حقدار بھی ہے اور طالب بھی۔ نوجوان تو نادان و ناتجربہ کار ہوتے ہیں۔ انہیں مناسب توجہ اور رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ بقول پروین شاکر

یہ سر اٹھائیں کیا انہیں کسی پہ مان ہی نہیں کسی کا پیار ان کے حوصلوں کی جان ہی نہیں

ہم ان سے شکایت کریں تو کیسے کہ ان کے معاملے میں بڑوں کی بے توجہی اور کسی حد تک لاتعلقی، بے جا تحکم اور ان کو ابھی اور اسی وقت اپنے جیسا بنا دینے کے ہمارے شوق نے ایسا بنا دیا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اپنائیت اور باہمی اعتماد کی فضا کو آلودہ کر دینے کے بعد ان نوجوانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینے یا حالات کے حوالے کر دینے اور پلٹ کر نہ دیکھنے کے عمل نے جلتی پر تیل کا کام دے کر

صورتحال کو اور زیادہ خراب کر دیا ہے۔ ان کے بارے میں اپنے ایک دانا کا احساس ملاحظہ کیجئے۔

میرے بیٹے نے آنکھیں اک نئی دنیا میں کھولی ہیں
اسے وہ خواب کیسے دوں؟
جنہیں تعبیر کرنے میں میری یہ عمر گزری ہے
میری تعظیم کی خاطر وہ ان کو لے تو لے شائد
مگر جو زندگی اس کوٹلی ہے اس کے دامن میں
ہمارے عہد کی قدریں تو کیا یادیں بھی کم کم ہیں (۱)

آج جب دنیا میں ایچ آئی وی / ایڈز کی بیماری بہت تیزی سے پھیل رہی ہے، ہمارے چمن کا یہ شاداب حصہ بھی اس کی بجلیوں کی زد سے زیادہ دور اور محفوظ نہیں رہا۔ اعداد و شمار کے مطابق اب تک کے اس بیماری سے متاثرہ افراد میں سب سے زیادہ تعداد نوجوانوں ہی کی ہے۔ ایڈز کی روک تھام کے قومی ادارے کی مہیا کردہ معلومات کے مطابق :

مرض کا شکار ہونے والے لوگوں میں آدھی سے زائد تعداد ۱۵ سے ۲۴ سال تک کی عمر کے نوجوانوں کی ہے۔ ہر متاثرہ لڑکے کے مقابلے میں دو لڑکیاں اس وائرس سے متاثر ہیں (۲)

ادھر یہ بھی ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ ہمارا ماحولیاتی مزاج اور ہمارے معاشرتی حالات بھی کچھ ایسے ہی ہیں اور بیرونی ثقافتی یلغار کے باعث بہت تیزی سے اس رخ پہ جا رہے ہیں کہ اصلاح احوال کی اگر بروقت اور مناسب تدابیر اختیار نہ کی گئیں تو آئندہ دو دہائیوں کے اختتام تک نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد، خاکم بدہن، کسی نہ کسی طرح اس موذی مرض سے متاثر ہو چکی ہوگی۔ یہ نوجوان ہمارا مستقبل ہیں۔ ہماری ساری امیدیں انہیں سے وابستہ ہیں لہٰذا ہم اپنے ہاتھوں ان کو تاریکیوں کے سپرد کسی طرح نہیں کر سکتے۔

عام طور پر ہم لوگ یہ کہہ کر نوجوانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں کہ "اپنے کئے کے یہ لوگ خود جوابدار ہیں" اور جیسا کریں گے ویسا ہی بھریں گے وغیرہ وغیرہ۔ اور اس ضمن میں قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ سے عموماً اپنے موقف پر دلیل بھی پیش کی جاتی ہے :

ولا تزر وازرة وزر اخرى (۳)

ترجمہ : اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

اس طرح سے ثابت یہ کیا جاتا ہے کہ ہر کوئی اپنے کئے کا خود ذمہ دار ہے۔ ہمارا اس سے کیا واسطہ کہ کوئی اچھا کرتا ہے یا برا۔ جو کچھ آج بوئے گا کل خود کاٹے گا۔ مگر آیت مبارکہ کے اس حصے کو اس کے سیاق و سباق سے جدا کرنے کے نتیجے میں یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ پوری آیت مبارکہ ملاحظہ فرمایئے:

من اهتدى فانما يهتدي لنفسه ج و من ضل فانما يضل عليها ط
ولا تزر وازرة وزر اخرى ط وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا (۴)

ترجمہ: جو کوئی بھی سیدھی راہ چلے گا اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو گمراہی کو اختیار کرے گا وہ اس کا وبال اپنے

ہی اوپر لائے گا، کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور ہم جب تک (ہدایت و گمراہی کا فرق سمجھانے سکھانے کے لئے) رسول نہ بھیج لیں کسی پر عذاب لازم نہیں کرتے۔

اس آیت مبارکہ کا نفس مضمون خود بتا رہا ہے کہ آپ ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے اور راہ حق پر لانے کیلئے مسلسل اور متواتر جدوجہد فرمائی۔ آپ ﷺ کی جانفشانی کا عالم یہ تھا کہ اس کیفیت کے خصوصی تذکرے کے ساتھ بارگاہ ایزدی سے تحسین و تسلی پر مبنی آیت مبارکہ نازل ہوگئی۔ اور یہ سند بھی ملی کہ آپ ﷺ نے تبلیغ حق کا حق پورا پورا ادا کر دیا:

فلعلک باخع نفسک علیٰ أثارهم ان لم یؤمنوا بهٰذا الحدیث اسفا (۵)

ترجمہ: تو اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائے تو آپ ان کی خاطر غم کے مارے شاید جی جاں سے گزر جائیں گے۔

آپ ﷺ نے تبلیغ حق اور تعمیر انسانیت کے لئے شبانہ روز محنت فرمائی۔ لوگوں کی سیرت و کردار کو نئی اور صالح بنیادوں پر استوار فرمایا۔ اس راہ میں بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کیا۔ آپ ﷺ پر پتھر برسائے گئے۔ آوازے کسے گئے۔ راہوں میں کانٹے بچھائے گئے۔ تبلیغ کا اثر زائل کرنے کے لئے طرح طرح کی سازشیں کی گئیں۔ مگر آپ ﷺ نے گالیاں سن کر بھی دعائیں ہی دیں۔ شر پسند اور اوباش لوگوں نے آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں کا جینا دوبھر کر دیا تو ان مؤمنین کو بھی صبر و حوصلہ کی تلقین فرمائی اور اپنی آغوش رحمت میں پناہ دیئے رکھی۔ آپ ﷺ کے عہد کے حالات و واقعات پر ایک نظر ڈال کر ایک عام سمجھ بوجھ کا حامل شخص بھی بآسانی اندازہ کر سکتا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے اپنی مساعی جمیلہ سے حجت تمام کر دی تھی۔ جب بارگاہ ایزدی سے بھی آپ ﷺ کی کاوشوں کو قبول و تحسین کی سند مل گئی تو پھر بھی جو شخص اپنی غلط کاریوں سے باز نہ آیا وہ تو اپنے کئے کا یقیناً خود ذمہ دار ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیت مبارکہ ایک رہنما اصول مہیا کرتی ہے:

لا اکراہ فی الدین قف قد تبین الرشد من الغی ج فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن م باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ ق لا انفصام لها ط

واللہ سمیع علیم (۶)

ترجمہ: دین کے معاملے میں زور زبردستی بیکار ہے۔ راہ حق، گمراہی سے ممتاز ہوگئی ہے۔ تو جو کوئی بھی طاغوت کا انکار کرتا اور اللہ پر ایمان لاتا ہے تو یقیناً وہ ایسے مضبوط حلقے سے وابستہ ہو جاتا ہے، جس کے ٹوٹ جانے کا تصور بھی باطل ہے، اور اللہ تعالیٰ تو خوب سننے جاننے والا ہے۔

اسی طرح یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حسب ذیل فرمان، اعلان نبوت کی اگلی ہی صبح نازل نہیں فرما دیا گیا تھا کہ

وان تولوا فانما علیک البلاغ (۷)

ترجمہ: اور اگر ان لوگوں نے (پھر بھی) منہ موڑ لیا تو آپ کے ذمہ صرف پیغام رسانی ہی ہے۔

اسی قبیل سے ہے یہ اعلان بھی کہ

اتبع ما اوحی الیک من ربک ج لا الہ الا ھو ج

واعرض عن المشرکین (۸)

ترجمہ: جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے وحی کیا گیا ہے اسی کی پیروی کرتے رہئے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور مشرکین سے اعراض کیجئے۔

بلکہ ان اعلانات کے پیچھے آپ ﷺ کی برسوں کی محنت شاقہ کارفرما تھی۔ جب آپ ﷺ نے ہر ہر پہلو سے حق کو واضح فرما دیا، حق اور باطل کے درمیان ایک روشن حد فاصل قائم ہوگئی، اور حجت تمام ہوگئی تو پھر جا کر یہ اعلانات منظر عام پر لائے گئے۔ لہٰذا از راہ نیابت ہم بھی جب تک نوجوانوں کے معاملے میں اپنی پیغمبرانہ ذمہ داریاں احسن طریقے پر پوری نہیں کر لیتے، ہمارے لئے گلو خلاصی کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔ بات بات سے بیزاری کا ٹپکنا اور ذرا ذرا سی باتوں پر ان سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرنا محض ایک بے تکی سی حرکت ہے اور کچھ نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته فالامیر الذی علی الناس راع وهو مسئول عن رعیته والرجل راع علی اهل بیته وهو مسئول عنهم والمرأة راعیة علی بیت بعلها وولده وهی مسئولة عنهم والعبد راع علی مال سیده وهو مسئول عنه الافکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته (۹)

ترجمہ: خبردار! تم میں سے ہر کوئی، ایک چرواہے کی مانند ہے اور ہر ایک سے اس کے ریوڑ یعنی ماتحت افراد کے معاملے میں باز پرس ہوگی۔ یوں ایک حکمران اپنی رعایا کا ذمہ دار اور ان کی طرف سے جواب دہ ہوگا۔ مرد اپنے اہل خانہ کے معاملے میں ذمہ دار اور ان کی طرف سے جواب دہ ہوگا۔ عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کے معاملے میں ذمہ دار اور جواب دہ ہوگی۔ ایک خادم اپنے آقا کے مال کے معاملے میں ذمہ دار اور جواب دہ ہوگا۔ اس لئے خبردار! تم میں سے ہر کوئی، ایک چرواہے کی مانند ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحت افراد کے معاملے میں باز پرس ہوگی۔

اس حدیث پاک سے مسلم معاشرت اور نظم اجتماعی کی ایک شاندار روایت میسر آتی ہے۔ ہر بڑا اپنے چھوٹوں کے معاملے میں بارگاہ ایزدی میں جوابدہ قرار پاتا ہے۔ اور اس بات کا پابند ہو جاتا ہے کہ معاشرتی اقدار کا بار امانت احسن طریقے پر نئی اور نوخیز نسل کو منتقل کرے۔ جو قومیں اپنی نئی اور آئندہ نسلوں کا مستقبل بھی ہمیشہ اپنی نگاہوں میں رکھتی ہیں وہی تعمیر و ترقی کی منازل بھی طے کرتی ہیں اور طویل عرصے تک زندہ بھی رہتی ہیں۔ پھر جب ان کا دھیان ادھر اُدھر ہو جاتا ہے تو وہ خود بھی وقت کے ساتھ ساتھ ادھر اُدھر ہو جایا کرتی ہیں۔ ایسی قومیں اپنے نونہالوں کو زمانے کی سختیوں سے بچانا اپنا فرض سمجھتی ہیں۔ بالخصوص ماں باپ تو اپنے بچوں کے آگے ڈھال بن کر ان کو حوادث زمانہ سے محفوظ رکھا کرتے ہیں۔ نوجوانوں کو ایڈز کی اس آگ سے دور اور محفوظ رکھنا یوں تو ایک ذمہ دار اور شعور و ادراک رکھنے والے ہر شہری کا فرض ہے۔ مگر ایک مثالی فلاحی معاشرے کے قیام کیلئے نوجوانوں کی اصلاح و فلاح اور ان کی کردار سازی کے بنیادی ذمہ داری والدین پر عائد ہوتی ہے۔

اپنی اولاد کی اچھی تربیت اور ان کو راہ راست پہ رکھنا ماں باپ کے حق میں فرض عین کا درجہ رکھتا ہے۔ ہر مہذب معاشرے میں اس فرض کو ایک بنیادی اور مسلمہ عقیدے کا درجہ حاصل ہے۔ ماں باپ کی اس ضمن میں کارکردگی پر خاندان کے بڑے بوڑھے اور بزرگ، جو جہاں دیدہ اور تجربہ کار بھی ہوتے ہیں، گہری نظر رکھتے اور بوقت ضرورت مناسب رہنمائی بھی مہیا کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح معاشرتی ترقی کا سفر بھی جاری رہتا ہے اور سماجی اقدار بھی زیادہ متاثر نہیں ہوتیں۔ اگر ہمارے یہاں کے والدین اور خاندانی بزرگ بھی اپنی اپنی سماجی ذمہ داریوں کا پاس کرنے اور لحاظ رکھنے لگ جائیں تو آج ہمارے سامنے یہ بے تحاشا مسائل کے جو انبار لگے ہیں، محض چند برسوں میں یہ صابن کی جھاگ کی طرح بیٹھتے نظر آئیں گے۔ مگر ہمارے ماحول و معاشرے میں اکثریت اپنی ذمہ داریاں پوری کرتی نظر نہیں آتی یا کسی وجہ سے پوری نہیں کر پاتی۔ یہ کمزوری ہماری بے شمار معاشرتی برائیوں اور خرابیوں کی اصل جڑ ہے۔ ایک طرف زمانہ اپنی رفتار سے آگے بڑھ رہا ہے۔ نت نئی ایجادات منظر عام پر آ رہی ہیں۔ فحاشی و عریانی کا ایک سیلاب سا امنڈ آیا ہے۔ دوسرے ہاتھ پہ والدین اپنے بچوں کی سرگرمیوں سے غافل یا بے نیاز۔ سارا سارا دن نکمے رہنا، آوارہ گھومنا ہمارے نوجوانوں کی عادت سی بنتی جا رہی ہے۔ ذہن نکما اور خالی ہو تو فارسی کی یہ کہاوت صادق آتی ہے کہ "خانہ خالی را دیو می گیرد" یعنی گھر خالی رہے تو اس پر جن قابض ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں کے سونے جاگنے کے اوقات بھی کسی قاعدے قانون یا فطرت سے ہم آہنگ نہیں رہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وجعلنا النوم سباتا ، وجعلنا الیل لباسا وجعلنا النہار معاشا (۱۰)

ترجمہ: ہم نے نیند کو سکون آور، رات کو پردہ پوش اور دن کو ہم نے معاش کے لئے بنایا ہے۔

مگر دن کو دیر تک سوئے رہنے کے نتیجے میں اگلی رات دیر تک نیند ہی نہیں لگتی۔ کئی جگہ تو ماں باپ بھی انہیں دروازے سے باہر نکال کر خود سو جاتے ہیں۔ اور نوجوانوں کی ٹولیاں رات گئے تک گلی کی نکڑ پہ بیٹھی آوارہ گپیں ہانکتی رہتی ہیں۔ یہ سرگرمیاں ان علاقوں میں زیادہ پائی جاتی ہیں جہاں کے لوگ زیادہ خوش حال اور آسودہ نہیں ہیں۔ اور جہاں کے نوجوانوں کا فارغ وقت کسب معاش میں لگنا چاہئے۔ والدین اور خاندانی بزرگوں کی زندگی کا لازمی فریضہ اور بنیادی وظیفہ ان نوجوانوں کی پرورش اور مناسب تربیت ہے۔ یہ بچے اپنے گھریلو حالات اور خاندانی مزاج کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اور اپنے بزرگوں کا چلتا پھرتا تعارف ہوتے ہیں۔ ان پہ وہی عکس ابھرتا ہے جو ان کے پس منظر میں موجود ہوتا ہے۔ جملہ سماجی قوتوں میں سے والدین اور ان کے خاندان سے تعلق رکھنے والے بڑے بوڑھے جس بہتر انداز سے نوجوانوں پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور انہیں سدھار کر راہ حق پر لا سکتے ہیں، کسی اور کے لئے ایسا کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ ان کے لئے تو یہ بھی دشوار نہیں کہ اپنے اور معاملات و معمولات حیات کو بھی حسب معمول جاری و ساری رکھتے ہوئے ان پر بھی نگاہ رکھ لیں۔ جبکہ دیگر افراد یا اداروں کو وقت اور سرمائے کے بے تحاشا استعمال سے بھی یہ مقاصد پوری طرح حاصل نہیں ہو سکتے۔ حضور رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

ما نحل والد ولدامن نحل افضل من ادب حسن (۱۱)

ترجمہ: کوئی باپ کسی بچے کو اچھی تربیت سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دے سکتا۔

والدین اور خاندانی بزرگوں کی ذمہ داریاں یوں بھی کئی چند ہیں کہ بچہ جس حالت میں ان کو ملا تھا وہ مکمل معصومیت کی حالت تھی۔ اس کا صحیفہ کردار و عمل بالکل صاف اور شفاف تھا۔ الہامی ہدایت کے ضابطوں کی موجودگی کے ساتھ ساتھ صحیح اور غلط راہوں کی تشخیص و تعین کے لئے انہیں قدرت نے عقل سلیم کی نعمت بھی عطا کی۔ پھر ایک ننھی منی سی جان ان کے سپرد کر کے اس کی تعمیر و تربیت کرنے اور اس پر اثر انداز ہو کر اس کو اپنی مرضی کے سانچوں میں ڈھالنے کی مکمل آزادی بھی عطا کی ہے۔ تو انہیں یہ سوچنا چاہئے کہ وہ اپنے بچوں کو کیا اور کیسا بنا رہے ہیں؟ اور ایک مسلمان ہونے کے ناطے انہیں ان کو کیسا بنانا چاہئے؟ یہ وہ ذمہ داری ہے کہ کسی ماں یا باپ کے لئے اس سے فرار اور روگردانی ممکن نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

کل مولود یولد علیٰ الفطرۃ فابواہ یہودانہ اوینصرانہ اور یمجاسنہ (۱۲)

ترجمہ: ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔

اور جو کچھ بھی بناتے ہیں اپنے لئے ہی بناتے ہیں۔ اور اپنا ایک مجسم تعارف چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔ اچھی اور بہترین تعلیم و تربیت سے آراستہ اولاد چھوڑ کر جاتے ہیں تو ان کے لئے ایک صدقہ جاریہ ہے۔ اور اگر خدانخواستہ بری اور بدتہذیب اولاد چھوڑ کر چلے گئے تو معاشرے کو تو صدمہ پہنچے گا ہی، خود ان کے اعمال نامے کی سیاہی بھی بڑھتی ہی چلی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تبارک الذی بیدہ الملک ز وھو علیٰ کل شیء قدیر O الذی خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم أیکم احسن عملا ط وھوالعزیز الغفور (۱۳)

ترجمہ: بہت برکتوں والی ہے وہ ذات کہ جس کے قبضہ میں پوری کائنات کی مملکت ہے، اور ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ وہی ذات جس نے موت اور حیات کا نظام وضع کی اس لئے فرمایا تا کہ تمہارا امتحان لے کہ تم میں سے کون بہتر کارکردگی دکھاتا ہے، اور وہ بہت ہی مقتدر اور بخشنے والا ہے۔

جس طرح اور ذی روح فانی ہیں اور ایک نہ ایک دن موت نے ان کو پچھاڑ دینا ہے اسی طرح ہم کو بھی اس مرحلے سے بہر حال گزرنا ہے۔ قدرت کا بنایا ہوا یہ قانون اٹل ہے:

کل نفس ذائقۃ الموت ط وانما توفون اجورکم یوم القیمۃ ط فمن زحزح عن النار و أدخل الجنۃ فقد فاز ط وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور (۱۴)

ترجمہ: ہر نفس نے موت کا مزہ چکھنا ہے، اور تمہیں قیامت کے روز پورا بدلہ دیا جائے گا صرف تمہارے کئے کا ہی پھل تمہیں آگ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا گیا وہی کامیاب ہے، اور دنیاوی ساز و سامان تو محض ایک فریب ہے نظر کا۔

تعلیم وتربیت کے عمل میں بے شمار خامیوں کے علاوہ ہماری نئی نسل کو ہمارے معاشرے کے لا یعنی رسوم ورواج نے بھی تقریباً نیم جاں کر کے رکھ دیا ہے۔ ہم اپنی نسلوں کی قیمت پر ایسے فرسودہ رسوم و رواج کو گلے سے لگائے بیٹھے ہیں جن کے باعث شادی بیاہ کے عمل میں غیر ضروری تاخیر ہوتی ہے۔ ہمارا یہ طرز عمل کسی طرح بھی اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ نہیں۔ طبی ماہرین کے مطابق بھی اوسط عمری کی شادی نحیف ونا تواں بچوں کی ولادت کا باعث ہوتی ہے۔ جب ماں باپ کی اپنی جسمانی توانائیاں ڈھلنے لگ جائیں تو ان کے ہاں جنم لینے والے بچوں کی جسمانی اور ذہنی ساخت اور امراض کے خلاف دفاع کا قدرتی نظام بھی قدرتی طور پر یقیناً کئی طرح کی پیچیدگیاں اور کمزوریاں لے کر آئے گا۔ حضور اکرم ﷺ نے بھی شادی بیاہ میں تاخیر کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ حدیث پاک میں ہے :

عن ابی سعید و ابن عباس رضی الله عنهم قالا قال رسول الله ﷺ من ولد له ولد فلیحسن اسمه وادبه فاذا بلغ ولم یزوجه فاصاب اثما فانما اثمه علیٰ ابیه (۱۵)

ترجمہ : حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کسی کے ہاں بچے کی ولادت ہو اسے چاہئے کہ اس کا نام اچھا رکھے اور اس کی اچھی تربیت کرے۔ پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے۔ تو اگر وہ بالغ ہو گیا اور اس نے اس کا نکاح نہ کیا اور وہ کسی گناہ کا مرتکب ہو گیا تو باپ اس کے گناہ کا ذمہ دار ہو گا۔

لڑکیوں کی شادی میں تاخیر کا معاملہ بھی ہمارے یہاں ایک گھمبیر صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ وقت کے گزرنے اور عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کی عادتیں بھی پختہ ہوتی رہتی ہیں۔ بلوغت کے وقت ان کے اندر حالات کو سمجھنے اور اپنے آپ کو ان کے مطابق ڈھال لینے کی جو صلاحیت ہوتی ہے طبیعت میں جوں جوں پختگی آتی جائے گی یہ صلاحیت کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی جائے گی۔ اکثر خاندانوں میں ہونے والی ناچاقیوں کا باعث اسی صلاحیت کا فقدان ہوتا ہے۔ اور اسی کے باعث عموماً بنتے بنتے گھر اجڑ بھی جاتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے لڑکیوں کی شادی کے معاملے میں ان کی عمر کا بھی ذکر اور تعین فرمایا ہے

عن عمر بن الخطاب و انس بن مالک عن رسول الله ﷺ قال فی التوراة مکتوب من بلغت ابنته اثنتی عشرة سنة و لم یزوجها فاصابت اثما فائم ذالک علیه (۱۶)

ترجمہ : حضرت عمر اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ دونوں رسول اللہ ﷺ سے روایت فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کی بیٹی بارہ سال کی ہو گئی اور اس نے اس کا نکاح نہ کیا اور وہ لڑکی اس طرح کے کسی گناہ میں مبتلا ہو گئی تو اس کا گناہ اس کے باپ کے سر ہو گا۔

سرمائے کا بے تحاشا ضیاع ہماری انا کی مرغوب غذا ہے۔ اس دقیانوسی سوچ وفکر نے کئی اور مسائل کھڑے کر دیئے ہیں۔ جہیز کو لعنت کہہ کر بھی ہم اسی کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ آج جو اپنے لڑکے کو

بیاہنے چلا ہے وہ یہ بھول جائے گا کہ آج لڑکی والوں کی اس کے ہاتھوں جو حالت ہو گی کل انہی سکوں میں اسے یہ سارے حسابات اس وقت چکانے اور بے باق کرنے ہوں گے جب اپنی لڑکی کے ہاتھ پیلے کرنے کی اس کی باری آئے گی۔ قدرت نے ہمارے تقریباً ہر گھر کو بیٹوں اور بیٹیوں کے معاملے میں بڑی فیاضی سے نواز رکھا ہے۔ یہ صورتحال اس بات کی غماز ہے کہ ہمارے معاشرے میں شعور کی سطح بہت پست ہے۔

ہم شرم وحیا کے تقاضوں کے منافی خیال کرتے ہوئے اپنے بچوں کو یہ بھی نہیں بتاتے کہ اپنی جنس کے اعتبار سے انہیں کن کن مراحل سے گزرنا ہو گا۔ کوئی بھی بچہ اپنی فطرت میں ان چیزوں سے لاتعلق اور بے خبر نہیں رہ سکتا۔ اگر یہ چیزیں ان کو ہم نہیں بتائیں گے تو بچوں نے کہیں نہ کہیں سے یہ معلومات حاصل تو کرنی ہیں۔ وہ اس معاملے میں اپنے ساتھیوں سے رجوع کریں گے۔ اس طرح کی نادرست اور غیر مستند معلومات کے نقصانات تو اپنی جگہ مگر اس ماحول کا ایک اور بڑا نقصان یہ بھی تو ہے کہ اس طرح ہمارے بچے ہمارے ہمراز نہیں رہیں گے۔ جن کے ہمراز بنیں گے ایک حد تک ان کے زیر اثر چلے جائیں گے۔ اس صورت حالات میں ماں باپ اور ان کی اولاد کے درمیان ایک اور پارٹی حائل ہو جاتی ہے۔ ادھر بچے کی شخصیت کے دو رخ ہو جاتے ہیں۔ ایک وہ جو ماں باپ اور باقی سب لوگوں کے سامنے ہے اور دوسرا وہ جس سے صرف ان کے ساتھی ہی واقف اور آگاہ ہیں۔ یہی وہ حالات اور اسباب ہیں جو ہمارے معاشرے میں اکثر زیر زمین سرگرمیوں کے فروغ کا سبب اور باعث بنتے ہیں۔ اپنے ہم عمروں اور ساتھیوں کے ہمراز بن کر ان کے رحم وکرم پر چلے جانے کے بعد اب آگے ان کے اپنے نصیب۔ ساتھی اگر اچھا ہے تو یہ بھی اچھے ہیں اور خدانخواستہ اگر وہ برا ہے تو یہ بھی زیادہ دن تک اچھے نہیں رہ سکیں گے۔ اس طرح کے حالات ہوں تو نوجوانوں کو غلط روشوں پر جانے سے بچنے کی محض تلقین کافی نہیں ہوتی۔ یہ مانا کہ فاشی وعریانی میں طغیانی آ گئی ہے۔ علامہ اقبال نے تو بہت پہلے کہہ دیا تھا۔

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدار یار ہو گا سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہو گا (۱۷)

مگر یہ سب زمانے کی فطری ارتقائی چال کا نتیجہ ہے جس کے جواب میں ہم نے اب تک منفی طرز عمل ہی اپنائے رکھا اور بے کار میں اپنی توانائیاں ضائع کرتے رہے۔

ریڈیو ٹرانسمیٹر کی ایجاد پر ہمارا ردعمل یہ تھا کہ "شیطان بول پڑا ہے۔ اسے اپنے گھروں تک مت آنے دو" ٹی وی اپنے ساتھ تصویر بھی لایا تھا اس لئے اس کی مخالفت کیلئے قدرے مضبوط بنیاد میسر آ گئی۔ ایک مذہبی رہنما نے اسے "خبیث عین" تک کہا۔ آج نہ صرف اسے قبول کر لیا گیا ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ گلے لگا لیا گیا ہے۔ زمانے نے جب بھی اپنا کوئی نیا پتا کھولا ہم نے اس کے خلاف کمر ہمت تو فوراً ہی کس لی مگر جلد ہی ڈھیلے پڑ گئے۔ آج بھی ہم اسی تجربے کو دہرانے میں مصروف ہیں۔ یہ طرز عمل غیر فطری سا ہے۔ ایک معالج جب دیکھتا ہے کہ مریض پرانے نسخے کا عادی ہو گیا ہے اور اس کی قوت مدافعت دوا کو اثر دکھانے نہیں دیتی تو زیادہ طاقتور نسخہ تجویز کر دیتا ہے۔ لہٰذا یہ پیشگوئی کرنا زیادہ مشکل نہیں رہا کہ اس ترکش کا اگلا تیر یقیناً زیادہ خیر ان کن اور خطرناک ہو گا۔ برائی یوں بھی اپنے اندر بے پناہ کشش اور جاذبیت رکھتی ہے۔ ایک دانا کے بقول: اگر کوئی کام کرنے کو جی نہ چاہ رہا ہو تو اس کو گناہ فرض کر لو، کام

بھی ہوگا اور مزہ الگ آئے گا۔ بیرونی ثقافتی یلغار نے ہمارے لیے کچھ ایسا ماحول بنا رکھا ہے کہ اس سے بچوں کو دور اور بچائے رکھنا خاصا دشوار کام ہے۔ ان حالات میں جبکہ کارکردگی کی جانچ پڑتال بھی چھپی ہے اور موت کے سائے بھی ہر سر پر منڈلا رہے ہیں، ایک ماں اور باپ پر مشتمل جوڑے کی کارکردگی جانچنے کے لئے ان کی اولاد کے رنگ ڈھنگ دیکھنے سے بہتر طریقہ اور ہو کیا سکتا ہے؟ لہٰذا علامہ اقبال رحمہ اللہ کے بقول

چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں (۱۸)

جب مقصود قدرت ہی آزمائش ہے تو نہ صرف یہ کہ اچھائی اور برائی کا وجود ناگزیر ہے بلکہ اچھائی کے اسباب کی نسبت برائی کے اسباب کا زیادہ طاقتور، پرکشش اور پر اثر ہونا بھی ضروری ہے۔ تبھی تو صحیح طرح سے حوصلوں کی آزمائش ہو سکے گی۔ اور اچھے اور برے کردار نمایاں ہو سکیں گے۔ آج ریڈیو کی مخالفت "چائے کی پیالی میں طوفان" سے زیادہ نہیں لگتی۔ ممکن ہے آنے والے دنوں میں کیبل نیٹ ورک اور انٹرنیٹ کی حیثیت اس سے بھی کم ہو جائے۔ لہذا اخلاقی ویرانی کے نئے اسباب پیدا ہو گئے ہیں تو ان کے آگے بند باندھنے کی کوششیں بے سود ہیں۔ یقینی طور پر زمانے کا اگلا پیچ اور زیادہ طاقتور اور پر اثر ہوگا۔ جو لوگ ہوا کے ہر جھونکے پر اپنا توازن کھو بیٹھتے ہیں کل قومی ذمہ داریوں کا بار گراں کیسے اٹھا پائیں گے؟ تاریخ انسانی کرب حوالے بھی کہتے ہیں کہ اس وقت اپنے اور اپنے بچوں کے اعصاب مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ بقول شاعر

لوگ تو مجبور ہیں پتھر تو ماریں گے ضرور   کیوں نہ شیشوں سے کہا جائے کہ ٹوٹا نہ کریں

لہٰذا من حیث القوم ہم سب کا فرض ہے کہ اپنی نئی نسل کے شفاف دامن کو ہر برائی کی آلودگی سے بچائیں اور بالخصوص ان کو ایچ آئی وی / ایڈز جیسے موذی، خطرناک اور مہلک مرض کی تباہ کاریوں کی زد سے دور رکھیں۔ بحیثیت استاذ ہمارا مشاہدہ ہے کہ جو والدین اپنے بچوں کو اپنے قریب رکھتے ہیں، ان کو اپنا ہمراز بناتے ہیں اور ان پر اعتماد کرتے ہیں ان کے بچے غلط کاریوں کا شکار نہیں ہوتے اور ذہنی فاصلوں کے باوجود اپنے ماں باپ کے قریب ہی رہتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ امجد، امجد اسلام، پھول ہوا، لاہور، جہانگیر بکڈپو، فروری ۲۰۰۳ء، ص: ۲۰ و ۲۱
۲۔ ایچ آئی وی کی روک تھام میں دینی رہنماؤں کا کردار، اولین اشاعت، جاری کردہ نیشنل ایڈز کنٹرول پروگرام۔ حکومت پاکستان، ص: ۶
۳۔ قرآن حکیم، بنی اسرائیل، آیت: ۱۵
۴۔ ایضاً
۵۔ قرآن حکیم، سورہ کہف، آیت: ۶
۶۔ قرآن حکیم، سورہ بقرہ، آیت: ۲۵۶

۷۔ قرآن حکیم، سورہ آل عمران، آیت: ۳۰
۸۔ قرآن حکیم، سورہ انعام، آیت: ۱۰۶
۹۔ القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۵۶، ص: ۱۳۲، جلد دوم
۱۰۔ قرآن حکیم، ۷۸: ۸ تا ۱۱
۱۱۔ ترمذی، عیسیٰ بن سورہ ابو عیسیٰ، جامع ترمذی ابواب، البر والصلہ، باب ما جاء فی ادب الولد،
۱۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری کتاب الجنائز، باب ما قیل فی اولاد المشرکین
۱۳۔ قرآن حکیم، سورہ ملک، آیات: ۱ و ۲
۱۴۔ قرآن حکیم، سورہ آل عمران، آیت: ۱۸۵
۱۵۔ الخطیب، محمد بن عبداللہ العمری التبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، دہلی، مطبع مجتبائی بلا سن طباعت ص: ۴۲۱ (بحوالہ شعب الایمان للبیہقی)
۱۶۔ ایضاً
۱۷۔ حکیم الامت، محمد اقبال، شیخ، کلیات اقبال (اردو) لاہور، غلام علی پرنٹرز، اشاعت ہشتم ستمبر ۱۹۸۴ء، ص: ۱۳۰
۱۸۔ ایضاً، ص: ۷۰

☆☆

فکری و تحقیقی نشست کا اہتمام

مجلس التفسیر جامعہ کراچی کے زیر اہتمام ہر انگریزی مہینے کے پہلے اتوار کو صبح دس بجے ایک ماہانہ علمی و فکری و تحقیقی نشست کے اہتمام کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ جس میں اسلام اور اسلام کے تعلق سے پیدا ہونے والی مختلف النوع تحقیقات کو مقالات کی صورت میں پیش کیا جائے گا۔ ہر نشست میں کسی بھی ایک صاحب فکر و نظر اور محقق کو اپنا مقالہ پیش کرنے کی اجازت ہوگی۔ مقالہ پیش کرنے یا اس نشست میں شریک ہونے کے لیے کوئی شرط نہیں ہے۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے

مقالہ نگاروں سے گزارش ہے کہ وہ اپنا مقالہ پیش کرنے سے کم از کم ایک ہفتہ قبل مجلس التفسیر کے سربراہ ڈاکٹر شکیل اوج سے رابطہ کر لیں۔ تاکہ مقالہ نگار اور ان کے عنوان مقالہ کی مناسب تشہیر و اشاعت قومی اخبارات کے ذریعے ممکن ہو سکے۔

مجلس میں پیش کیے جانے والے مقالات مجلہ التفسیر میں شائع کیے جائیں گے۔

فکری نشست کا انعقاد C-43 اسٹاف ٹاؤن یونیورسٹی کیمپس جامعہ کراچی میں کیا جائے گا۔

برائے رابطہ: 021-4802368

0300-2236558

ای میل: sascom7@yahoo.com

تفسیر المسائل والاحکام

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

تخفیف عذاب کیا ہے؟

سوال: البقرہ/۸۶ میں کہا گیا ہے کہ فلا تخفف عنهم العذاب۔ ان کے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی۔ وہ کون لوگ ہوں گے، جن کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور تخفیف عذاب کی شرائط کیا ہیں؟ (غ۔جہم)

جواب: آپ نے جو قرآنی الفاظ لکھے ہیں۔ اس میں غلطی ہوگئی ہے۔ آپ یقیناً مخفف لکھنا چاہتے ہوں گے مگر سہواً مخفف کی جگہ مخفف لکھ دیا گیا ہے۔ جو یقیناً غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ آپ نے متذکرہ بالا آیت میں سے ایک محدود مخصوص فقرہ اخذ کر کے پوچھا ہے کہ "وہ کون لوگ ہوں گے، جنکے عذاب میں تخفیف کی جائیگی، جواباً عرض ہے کہ اس آیت میں تخفیفِ عذاب کے امکان یا وقوع کو بیان کرنا مقصود کلام نہیں ہے۔ بلکہ عدم امکان یا وقوع کو بیان کرنا منشائے کلام ہے۔

پھر یہ کہ وہ کہ جن کے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی، ان کے بارے میں مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ لوگ تو قرآن مجید نے خود ہی بیان کر دیئے ہیں، اگر آپ پوری آیت دیکھتے تو خود جان لیتے۔ بہر حال آپ نے مجھ سے پوچھا ہے تو میں قرآن کی رہنمائی میں تخفیف عذاب کے محرومین یعنی (اشد العذاب کے مستحقین) (البقرہ/۸۵) کی نشاندہی کئے دیتا ہوں۔ سب سے پہلے تو وہ آیت ملاحظہ کیجئے جس کا آپ نے اپنے سوال میں حوالہ دیا ہے۔

أولئك الذين اشتروا الحيوة الدنيا بالأخرة فلا يخفف عنهم العذاب ولا هم ينصرون ○ (البقرہ/۸۶)

یہی وہ لوگ ہیں، جنہوں نے آخرت کے بدلے میں دنیا کی زندگی خرید لی ہے، پس نہ اُن پر سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ہی ان کو مدد دی جائیگی۔

آیت میں لفظ أولئك کی بلاغت پر نگاہ رہے تو معلوم ہو جائے گا کہ آخرت کے عوض دنیا خریدنے والے لوگ، کن کن جرائم میں مبتلا رہے ہیں۔ اسکے لئے آیت ماقبل کو دیکھنا ہوگا۔ جسمیں ارشاد

ہوا: ثم انتم هؤلاء تقتلون انفسكم وتخرجون فريقاً منكم من ديارهم تظهرون عليهم بالاثم والعدوان ط وان ياتوكم أسرى تفادوهم وهو محرم عليكم اخراجهم ط افتومنون ببعض الكتاب وتكفرون ببعض ج فما جزآءُ من يفعل ذلك منكم الاّ خزيٌ في الحيوة الدنيا ج ويوم القيامة يردّون الى اشد العذاب ط وما اللّٰه بغافل عمّا تعملون ○ (البقرہ/۸۵)

پھر تم ہی وہ لوگ ہو کہ اپنوں کو قتل کر رہے ہو اور اپنے ہی ایک گروہ کو ان کے گھروں سے باہر نکال رہے ہو (اور طرفہ تماشا یہ کہ) ان کی حق تلفی اور زیادتی کے ساتھ، ان کے دشمنوں کی مدد کرتے ہو اور اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آجائیں تو ان کا فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو (تاکہ وہ تمہارے ممنونِ کرم رہیں) حالانکہ ان کا نکالنا تم پر حرام تھا۔ تو کیا تم کتاب کے بعض حصوں پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔ پس تم میں سے جو شخص ایسا کرے، اسکی کیا سزا ہو سکتی ہے۔ سوائے اس کے کہ دنیا کی زندگی میں ذلت ہو اور قیامت کے دن (ایسے لوگ) سخت ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے بے خبر نہیں۔

یہ آیت چونکہ "ثم" سے شروع ہوئی ہے اور ثم تراخی کے لئے آیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ سلسلہ بیان اوپر سے چل رہا ہے۔ اس لئے ہمیں ایک آیت اور اوپر جانا ہوگا اور وہ آیت یہ ہے۔

واذ اخذنا ميثاقكم لا تسفكون دمائكم ولا تخرجون انفسكم من ديارکم ثم اقررتم وانتم تشهدون (البقرہ/۸۴)

اور یاد کرو جب ہم نے تم سے یہ پختہ عہد لیا کہ تم باہم خونریزی نہیں کرو گے اور نہ اپنے لوگوں کو بے وطن کرو گے پھر تم اس کا اقرار بھی کرتے ہو اور خود گواہی بھی دیتے ہو۔

میرے محترم! نفسِ مسئلہ کی وضاحت کے لئے مجھے ترتیب صعودی کا سہارا لینا پڑا ہے۔ یعنی آیات کو اوپر سے نیچے پڑھنے کی بجائے نیچے سے اوپر کی طرف پڑھنا پڑا۔ اس کو اصطلاحاً سیاق وسباق کہتے ہیں۔ قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے مجھے بارہا ایسا کرنا پڑتا ہے۔

ان آیات کو ایک ساتھ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تخفیف عذاب سے محروم (یعنی اشد العذاب کے مستحقین) افراد کے جو جرائم بیان کیے ہیں۔ وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) اپنوں کو قتل کرنا (تقتلون انفسكم)

(۲) اپنے لوگوں کو ان کے گھروں اور بستیوں سے نکال باہر کرنا (وتخرجون فريقاً منكم من

دیارھم)

(۳) غلط طور پر ایک دوسرے کی مدد اور پشت پناہی کرنا (تظاھرون علیھم بالاثم والعدوان)

اور ان جرائم کے علاوہ ان کا ایک جرم اور بھی ہے۔ جسے بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے۔

(۴) کیا تم کتاب الٰہی کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے کا انکار کر دیتے ہو؟

اس جرم کو سوالیہ انداز میں نمایاں کرنے کا مطلب ہے کہ یہودیوں کی بربادی اور زوال میں مذکورہ بالا عوامل کے ساتھ ساتھ الٰہی قوانین و احکام میں تبعیض کا عامل بھی خصوصیت کے ساتھ شامل تھا چنانچہ ایسے ہی مجرموں کے لئے جو عذاب مقرر ہوا ہے وہ بلا تخفیف یعنی ہر قسم کی رعایت اور ہمدردی کے بغیر ہے۔

دراصل قرآن پر ایمان رکھنے والوں کے لئے اسمیں درس عبرت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ منفی کردار جس قوم کا بھی ہوگا وہ قوم اسی سزا کی مستحق ہوگی جو قرآن میں درج ہے۔

جن لوگوں کے لئے آیت نمبر ۸۶ میں فلا یخفف عنھم العذاب آیا ہے انہی کے لئے آیت نمبر ۸۵ میں ویوم القیامۃ یردون الیٰ اشد العذاب بھی آیا ہے۔ یوں اشد العذاب کے بعد یخفف عنھم العذاب کا مفہوم آپ سے آپ واضح ہو جاتا ہے۔

آپ نے سوال میں یہ بھی پوچھا ہے کہ تخفیف عذاب کی شرائط کیا ہیں؟ سو اس کے جواب میں عرض ہے کہ جس درجے کا جرم ہوگا، اُسی درجے کا عذاب ہوگا۔ جس طرح جرم میں زیادتی، عذاب میں زیادتی کو مستلزم ہوتی ہے۔ اُسی طرح جرم میں کمی بھی عذاب میں کمی کو مستلزم ہوگی۔ یوں تخفیف عذاب کا تعلق تخفیف جرم سے ہوا۔ اس لئے عذاب الٰہی سے بچنے کے لئے ہمیں جرم سے بچنا ہوگا۔ یعنی جتنا جرم کم، اتنا عذاب کم۔ اور تخفیف عذاب، اسکے علاوہ کسی اور چیز کا نام نہیں۔

مزید یہ کہ پورے قرآن میں کہیں بھی "تخفیف عذاب" مثبت معنی میں نہیں آیا۔ جہاں بھی آیا عذاب میں ذرا بھی رعایت نہ دینے کے مفہوم میں آیا۔ اب میں دیگر مقامات سے اسکی تفصیل عرض کئے دیتا ہوں تاکہ نفس مسئلہ خوب مشرح و مصرح ہو جائے۔ اور ہر قسم کے مغالطے کے ازالے اور ابہام کی توضیح ہو جائے۔

سورۂ بقرہ میں آیا ہے۔

ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار اولٰئک علیھم لعنۃ اللّٰہ

والملائکۃ والناس اجمعین o خالدین فیھا لا یخفف عنھم العذاب ولاھم ینظرون o (البقرہ/۱۶۱-۱۶۲)

بلاشبہ جنہوں نے کفر کیا اور مر گئے۔ دراں حال یہ کہ وہ کافر ہی تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ اور فرشتوں اور لوگوں کی لعنت ہے۔ اس (لعنت) میں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی اور نہ انہیں مہلت دی جائیگی۔

سورہ آل عمران میں آیا ہے۔

کیف یھدی اللّٰہ قوماً کفروا بعد ایمانھم وشھدوا ان الرسول حق وجاءھم البینات ط واللّٰہ لا یھدی القوم الظالمین o اُولٰئک جزآءھم انّ علیھم لعنۃ اللّٰہ والملائکۃ والناس اجمعین o خالدین فیھا لا یخفف عنھم العذاب ولاھم ینظرون o الا الذین تابوا من بعد ذٰلک واصلحوا فان اللّٰہ غفور رحیم o (آل عمران (۸۶-۸۹)

اللہ ان لوگوں کو کیسے کامیاب کرے، جنہوں نے ایمان کے بعد کفر کیا اور وہ گواہی دیتے ہیں کہ رسول سچا ہے اور ان کے پاس روشن دلیلیں پہنچ چکیں اور اللہ ظالموں کو کامیاب نہیں ہونے دیتا۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ اُن پر اللہ اور فرشتوں اور لوگوں کی لعنت ہے۔ اسی میں ہمیشہ (پڑے) رہیں گے۔ نہ اُن سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائیگی۔ سوائے ان کے کہ جنہوں نے اسکے بعد توبہ کر لی اور خود کو سنوار لیا۔ بے شک ایسوں کے لئے اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

آپ نے دیکھا کہ اس مقام پر بھی لا یخفف عنھم العذاب ولاھم ینظرون o کے وہی الفاظ دہرائے گئے ہیں جو سورہ بقرہ کی تذکرۃ الفند آیت میں آئے ہیں۔ ان دونوں مقامات پر عذاب میں تخفیف نہ ہونے کا مفہوم، عذاب مسلسل ہے۔

اسی طرح سورہ نحل میں آیا ہے۔

واذا راء الذین ظلموا العذاب فلا یخفف عنھم ولا ھم ینظرون o (النحل/۸۵)

اور جنہوں نے ظلم کیا۔ جب عذاب دیکھیں گے تو وہ نہ اُن سے ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔

اور سورہ فاطر میں آیا ہے۔

والذین کفروا لھم نار جھنم ج لا یُقضیٰ علیھم فیموتوا ولا

یخفف عنھم من عذابھا ط کذلک نجزی کل کفور ہ (فاطر/۳۶)

اور جنہوں نے کفر کیا۔ ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے۔ نہ ان کا کام تمام کیا جائے گا کہ مر جائیں اور نہ کچھ جہنم کا عذاب ان سے کم کیا جائے گا۔ ہم ہر ناشکرے کو یونہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

ان دونوں آیات میں بھی عذاب میں کمی نہ ہونے کا مطلب، عذاب میں تسلسل اور تواتر ہے۔ عذاب میں تخفیف نہ ہونے کا مفہوم قرآنی آیات میں اتنی وضاحت اور صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ اس باب میں کسی بھی قسم کا مغالطہ لاحق نہیں ہو سکتا۔

میں نے اس موضوع سے متعلق قرآن مجید میں مذکور تمام آیات آپ کے سامنے رکھ دی ہیں۔ اُمید ہے آپ میرے جواب سے مطمئن ہوں گے۔

..........☆☆..........

علامہ اقبالؒ نے فرمایا

ایک مدت سے ہم یہ سن رہے ہیں کہ قرآن کامل کتاب ہے۔ اور خود اپنے کمال کا مدعی ہے۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کے کمال کو عملی طور پر ثابت کیا جائے۔ سیادت انسانی کے لیے تمام ضروری قواعد اس میں موجود ہیں۔ اور اس میں فلاں فلاں آیات فلاں قواعد کا استخراج ہوتا ہے۔ نیز جو قواعد عبادات یا معاملات سے متعلق (بالخصوص موخر الذکر سے متعلق) دیگر اقوام میں اس وقت مروج ہیں ان پر قرآنی نقطہ نگاہ سے تنقید کی جائے اور دکھایا جائے کہ وہ بالکل ناقص ہیں اور ان پر عمل کرنے سے نوع انسانی کبھی سیادت سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتی۔

میرا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطہ نگاہ سے زمانہ حال کے "جورس پروڈنس" پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا وہی اسلام کا "مجددؒ" ہوگا۔ اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہوگا۔

۱۲ ستمبر ۱۹۲۵ء علامہ اقبالؒ کے ایک خط سے اقتباس

التفسیر اہل علم کی نظر میں

جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خان
سینئر جج فیڈرل شریعت کورٹ (اسلام آباد)

مکرمی و محترمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

سہ ماہی رسالہ التفسیر کا شمارہ نمبر ۲ (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵) ملاحظہ کیا۔ اور مختلف موضوعات پر دیئے گئے مضامین کو بالاستیعاب پڑھنے کا موقع ملا۔ ماشاء اللہ بہت عمدہ کوشش ہے۔ جسمیں ممتاز محققین نے علمی اور تحقیقی مواد مرتب فرمایا ہے۔ کئی دیگر رسالوں کے برعکس یہ موضوعات محض نظریاتی تفنن طبع کی بجائے زیادہ تر عملی اہمیت کے حامل ہیں۔ جو اس رسالے کی افادیت کی ایک اچھی امتیازی خصوصیت ہے۔ اس نوعیت کے مباحث دور حاضر کی ضرورت ہیں میرا اندازہ ہے کہ یہ تحقیقی رسالہ علمی لحاظ سے ایک معتبر مقام حاصل کرے گا اور مختلف موضوعات پر اہل علم کی تسکین و رہنمائی اور فکری ارتقاء کا باعث بنے گا۔ میری دعا ہے کہ اس کا یہ معیار بہتر سے بہتر شکل اختیار کر جائے۔ اور مدیر اعلیٰ ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج کی ان کاوشوں کو علمی احیاء کے لیے کی جانے والی کوششوں میں مؤثر کردار ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

دعا گو

فدا محمد خان

(جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خان)

..........☆☆..........